جلد 7

(جو رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے، اس نے اللہ کی اطاعت کی)

گلدستۂ سنّت

اصلاحی بیانات

حافظ محمد ابراہیم نقشبندی مجددی مدظلہ

خلیفہ مجاز

حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

پسند فرمودہ

حضرت مولانا صاحبزادہ حافظ حبیب اللہ احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

الکہف پبلیکیشنز

AL-KAHAF PUBLICATIONS

(جو رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے، اس نے اللہ کی اطاعت کی)

جلد 7

گلدستۂ سُنّت

اصلاحی بیانات

حافظ محمد ابراہیم نقشبندی مجددی

خلیفۂ مجاز

حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

مرتب

مولانا قاری محمد عمران خان صاحب

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)(فاضل جامعہ مدینہ کریم پارک لاہور)

پسند فرمودہ

حضرت مولانا صاحبزادہ حافظ حبیب اللہ احمد نقشبندی مجددی

الکہف پبلیکیشنز
AL-KAHAF PUBLICATIONS

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب .... گلدستۂ سنت جلد 7

از افادات .... حافظ محمد ابراہیم

پروف ریڈنگ وتخریج .... مولانا محمد عمار صاحب و دیگر علمائے کرام
(فاضل جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی)

مرتب .... مولانا قاری محمد عمران خان صاحب
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)(فاضل جامعہ مدینہ کریم پارک لاہور)

کمپوزنگ .... حافظ عبدالوحید اعوان (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

اشاعت اول .... اگست 2019ء

تعداد 1100

الکہف ایجوکیشنل ٹرسٹ
AL-KAHAF EDUCATIONAL TRUST

فیس بک — فیس بک پر براہِ راست بیانات کے کلپس اور احادیث حاصل کریں۔ fb.com/ishqeilahi1

Twitter — لائیو بیانات کے اوقات کے متعلق جاننے اور روزانہ ایک حدیث پاک اپنے موبائل پر حاصل کرنے کے لیے اپنے موبائل سے یہ میسیج سینڈ (Messege Send) کریں۔ ہر بیان شروع ہونے سے قبل آپ کو اطلاع دے دی جائے گی۔ ان شاء اللہ Twitter: F ishqeilahi Send 40404

نوٹ: مذکورہ کوڈ صرف پاکستان کے لیے ہے۔ بیرون ممالک والے حضرات ہمیں ای میل کرکے یا واٹس ایپ پر میسیج کرکے اپنے ملک کا کوڈ حاصل کرسکتے ہیں۔

whatsapp — کے کلپس حاصل کرنے کے لیے ان نمبروں پر رابطہ کریں۔ 0321-4159902 ,0300-9406489

www.ishqeilahi.com
Email:info.ishqeilahi@gmail.com

اِنتساب

اپنے شیخ حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

کے نام جن کی بے پناہ محبتوں اور شفقتوں نے اس بندے

کے دل میں ایمان کی شمع کو روشن کر دیا۔

حافظ محمد ابراہیم نقشبندی

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم صل على سيدنا محمد النبي

الأمي وعلى آله وصحبه وبارك وسلم

فہرست مضامین

- پیش لفظ 19
- عرض مرتب 21

حصہ اول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام لوگوں کے ساتھ برتاؤ 23

- آئیڈیل شخصیت 23
- تنظیم وقت 24
- ایک عمومی شکایت 25
- تین اہم باتیں 25

- گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا 26
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس 27
- درسگاہ میں بیٹھنے والوں کے لیے ضابطہ 28
- سفارش کرنی چاہیے؟ 29
- دو اہم باتیں 29
- سفارش کرنے کی فضیلت 30
- ساتھیوں کے ساتھ خدمت میں شراکت 30
- ساتھیوں کی رعایت کرنا 32
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہلِ تعلق کے گھر جانا 34

حصہ دوم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عام لوگوں کے ساتھ برتاؤ 36

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ 36
- قطع کلامی سے بچیے 37
- ساتھیوں کی خبر گیری 37
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ رضی اللہ عنہم کا اکرام 38
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ملاقات کے لیے جانا 39
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں سے محبت 39
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھیوں کی خبر گیری کرنا 40
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بے تکلفی 41
- ساتھیوں سے دل صاف رکھنا 43

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بچوں کے ساتھ برتاؤ 45

- پریشانی کا حل 45

- تربیتِ اولاد دین ہے 46
- اولاد کی تربیت کے تین اُصول 47
- اولاد کیسے کام آنے والی بنے گی؟ 48
- Generation Gap 48
- حضور ﷺ کی خوش مزاجی اور پُر مزاجی 49
- بچوں کے ساتھ دل لگی کے واقعات 49
- نواسے کی شہادت کی خبر 52
- بچوں کا پیشاب کرنا 53
- مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ کا شوقِ اتباعِ سنت 54
- بچوں کے ساتھ بچیوں کا خیال رکھنا 55
- خصوصی شفقت کا معاملہ 56
- جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں ہوتا 56
- بچے کو ران پر بٹھانا 57
- بچوں کو مسجد لے جانا 57
- بچوں پر سختی کرنے والوں کے نام پیغام 58

پیغمبر علیہ السلام کی گھر والوں سے محبت 59

- نبی کریم ﷺ کی گھر والوں کے ساتھ بھلائی 59
- گھر میں مسکراتے ہوئے سلام کر کے داخل ہونا 60
- گھر والوں سے محبت کے واقعات 60

حصہ اول — اللہ بہت بڑا ہے 64

- تخلیق کا شاہکار انسان 64

انسان اور دیگر حیوانات کی بینائی میں فرق	65
انسان اور دیگر حیوانات کے ہاتھوں میں فرق	65
انسان اور دیگر حیوانات کی گویائی میں فرق	66
انسانی عقل	66
سمندری لہریں	66
زمین کا رقبہ اور اس کا چکّر	67
انسان کی روزی	68
زمین سے بڑے سیارات	70
نظامِ شمسی کا سرتاج سورج	71
سورج کی روشنی	71
سورج کی حرارت	72
ایک سفر	72
دھوپ	73
گرم گیسوں کا فٹ بال	73
انسانی تفکر	74
اللہ اکبر کا مطلب	75
چاند	76
مِرّیخ	76
مشتری	77
سورج	77
نوری سال	77
کہکشائیں	79
بلیک ہول کیا ہے؟	80

حصہ دوم — اللہ بہت بڑا ہے — 82

- امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دہریے کو جواب — 82
- سات آسمان — 83
- کائنات کا اختتام — 84
- آسمان اور زمین کی ساخت — 85
- جنت کی وسعت — 86
- حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رفتار — 86
- جنت کا درخت — 88
- دنیا اصل نہیں ہے — 89
- اعمال کی حیثیت کو پہچانیں — 90
- گھاٹے میں کیوں پڑے ہیں؟ — 91
- عرشِ عظیم — 91
- پریشانی سے حفاظت کا نسخہ — 92
- کرسی — 93
- اللہ تعالیٰ کی محبت — 94
- خوش نصیب شخص — 94
- ایمان اور شکر گزاری — 95
- انسانی دل کی چابی — 96
- آج کے حالات میں کیا کریں؟ — 98

تحمل مزاجی — 100

- علم کے ساتھ حلم — 101

- تحمل مزاجی کی تعریف 101
- اللہ تعالیٰ کا حلم 101
- اصل تعریف اللہ کی 102
- حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ 103
- ایک اللہ والے کا واقعہ 104
- درگزر کرنا 104
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم کے ساتھ برتاؤ 106
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر والوں کے ساتھ برتاؤ 106
- غارتِ اُمِّ کلثوم 107
- طائف کا دن 109
- حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ 111
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قحط دور ہونا 113
- شامی اور برمی مسلمانوں کی مدد کریں 113

سونے کی سنتیں اور تہجد 115

- کامیاب انسان 115
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی خدمت 116
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد کے لیے بیدار ہونا 117
- تین برتنوں کا انتظام 117
- میاں بیوی کی محبت 118
- آج کل کی جلد بازی 119
- عشاء کے بعد ناپسندیدہ عمل 119
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیدار ہونے کا وقت 120

- رات میں کتنی دیر سونا مسنون ہے؟ 120
- تہجد کا اہتمام کیجیے 122
- ہے کوئی مانگنے والا جسے میں عطا کروں 123
- فرشتوں کی تین جماعتیں 124
- مقربین کون لوگ ہیں؟ 125
- دل کی بات 125
- وتر کی نماز کب پڑھی جائے 127
- نبی کریم ﷺ کی شفاعت 128
- اوقات کو تقسیم کریں 128
- گھر والوں کو وقت دیں 129
- نبی کریم ﷺ کس پر سوتے تھے؟ 129
- چارپائی کیسی تھی؟ 130
- مسجد میں سونا 134
- سفر میں سونا 136
- سونے والے کو کب جگانا چاہیے 137
- نبی کریم ﷺ کا اپنے گھر والوں کا خیال رکھنا 137
- قیلولہ کرنا 138

حصہ اول | محرّم الحرام | 141

- خلاصۂ بیان 142
- محاسبہ نفس 142
- نیکیوں کے لیے ٹارگٹ بنائیں 143
- بھیڑ لگانا مقصد نہیں 143

تقویم، کیلنڈر اور جنتری	144
تین طرح کے نظام	144
عیسوی مہینوں کی وجہ تسمیہ	145
قمری مہینوں کے نام	146
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت	147
قمری نظام اور دیگر میں فرق	147
اَشہرِ حُرم اور قتال	148
اعلانِ حجۃ الوداع	149
فطرتی نظام	150
قمری تاریخ پر حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کا عمل	151
پہلے رات پھر دن	151
شرک و بدعت سے پاک	151
عبودیت کا اِظہار	152
چاند کا انتظار	152
زکوٰۃ کی ادائیگی قمری اعتبار سے کیجیے	153
کچھ تاریخی واقعات سے سال کی ابتدا	154
عہدِ فاروقی اور ہجری سن کی ابتدا	155
بعض شبہات کا اِزالہ	156
ہجرت کو بطورِ سن منتخب کرنے کی وجہ	157
دینی غیرت و حمیّت	159
صرف انگریزی تاریخ کو اپنانا مناسب نہیں	159
محرم الحرام کی اہمیت	160
مبارک مہینوں کی خصوصیت	161

محرم الحرام کا روزہ 161

حصہ دوم محرم الحرام 163

رمضان کے بعد محرم 164
عاشورہ کے واقعات 164
یومِ عاشورہ کی تاریخی اہمیت 165
کم علمی کی باتیں 166
دسویں محرم کا روزہ 167
صغائر کی معافی 168
کبیرہ گناہ کی معافی 168
بعض کوتاہیوں کا اِزالہ 169
یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے بچنا 170
شیطان کے دوستوں کی مخالفت کیجیے 171
سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ 172
داڑھی رکھنا 174
سحری کرنا 174
ایک فکری سوال 175
غلط دیکھنے کے غلط اثرات 176
اچھا سوچیں 176
عاشوراء کے دن وسعتِ رزق 177
وسعت گھر والوں پر کیجیے، نہ کہ کسی اور پر 179
تکلیف مالا یطاق 179
خدمتِ خلق میں مبالغہ آرائی سے گریز 180

- واقعہ کربلا میں اعتدال 180
- غلط فہمی کا ازالہ 181

پسندیدہ گوشت 183

- نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنت کے راستے 183
- رضائے الٰہی کا پیمانہ 185
- سید الطعام 186
- روزانہ گوشت نہ کھائیں 186
- دستی کا گوشت 187
- یہودی عورت کا نبی علیہ السلام کو زہر دینا 188
- پیٹھ کا گوشت 189
- شانے کا گوشت 189
- گردن کا گوشت 189
- بھنی ہوئی کلیجی کھانا 190
- بھنا ہوا گوشت 191
- شوربے دار گوشت 193
- لوکی یا کدو کھانا 194
- نیل گائے کا گوشت 194
- گوشت کو رکھنا 195
- پائے کھانا 196
- مغز یا گودا کھانا 197
- اُونٹ کا گوشت کھانا 197
- مرغی کا گوشت کھانا 198

- خرگوش کا گوشت کھانا 198
- پرندوں کا گوشت کھانا 198
- گائے کا گوشت کھانا 199
- مچھلی کھانا 199
- سات ناپسندیدہ چیزیں 200

اسلامی لباس 201

- رب کائنات کا پسند فرمودہ لباس 203
- لباس نبوی ﷺ 205
- ٹوپی 205
- عمامہ 206
- لنگی 206
- پائجامہ 206
- موزے 206
- خرقہ 207
- شیطانی حملہ 208
- فائدہ 208
- دورِ حاضر کی حالت زار 208
- فریضہ ستر پوشی 210
- لباس کے آداب 210
- مسائل 214
- فائدہ 214

قضائے حاجت کے آداب 216

- پیشاب، پاخانے کے وقت سمت کا تعین 216
- مجبوری میں حل 217
- اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرنا 218
- اہلِ قبا کی تعریف 218
- استنجا کا طریقہ و آداب 219
- حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت 223
- صفائی کا اہتمام 224
- ممانعت والی جگہیں 225
- سر ڈھانک کر جانا 226
- بیت الخلاء نہ سمجھیں 226
- قومِ لوط کے عمل سے بچنا 227
- نماز یکسوئی سے ادا کی جائے 228
- پہلا معجزۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم 229
- دوسرا معجزۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم 230
- بیت الخلاء میں وضو کرنا 231

چھوٹا عمل بڑا اجر 232

- جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت 233
- خلاصۂ بیان 233
- چھینک آنے پر عمل 234
- جو الحمد للہ نہ کہے، اس کو جواب نہ دینا 235

- الحمد للہ کہنے پر جواب کا واجب ہونا 235
- جب تین مرتبہ چھینک آئے 236
- چھینکنے والا آواز اور چہرے پر کنٹرول رکھے 236
- غیر مسلم کے لیے چھینک کا جواب 237
- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کمال احتیاط 238
- دو واقعات 238
- جمائی/ جماہی کو روکنا 240
- بچوں کا نام رکھنا 241
- عمومی وسوسہ 244
- نسبت کا خیال رکھیں 245
- والد کے نام سے پکار 245
- متکبرین کے نام پر نام نہ رکھیں 246

جیسی زندگی ویسی موت 247

- انسانی زندگی 248
- جیسی زندگی ویسی موت 248
- چھکا لگا اور مر گئے 249
- ناگہانی اَموات 249
- اچھی اور بُری اُمید 250
- اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بخار 250
- اللہ والے کی حکایت 251
- کامل توجہ الی اللہ کی ضرورت 252
- موت سے غفلت کے واقعات 253

- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پریشانی 253

موت کی تکلیف 258

- سب سے آخری تکلیف 258
- روح نکلنے کی تکلیف 259
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل 260
- صحیح اور غلط کی پہچان 260
- غم کیا ہونا چاہیے؟ 261
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ترغیب 262
- مرنے کی متعین جگہ 262
- شیطان کا بڑا حملہ 263
- امام احمد رحمہ اللہ کا واقعہ 264
- موت کے وقت فرشتوں کا آنا 264
- نکتہ کی بات 265
- صحبت کی اہمیت 265
- موت کی سختی 266
- ایک اللہ والے سے سوال 267
- روح نکلنے کی ترتیب 268
- شہادت پر موت کی تکلیف کی مثال 268
- سب سے آخری مخلوق کی موت 268
- قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام 269
- پہچان ختم ہو جانا 270
- ایک ظالم بادشاہ کا قصہ 270

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے الکہف ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر انتظام چھپنے والی کتاب گلدستہ سنت کی جلد 7 آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ نعمتوں اور رحمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

آگے چلنے سے پہلے میں میں ضروری سمجھتا ہوں کہ الکہف ایجوکیشنل ٹرسٹ کا تعارف بھی کرواتا چلوں۔ الکہف ایجوکیشنل ٹرسٹ زندگی کے مختلف شعبوں میں سرگرم عمل ہے جن میں ادارے کے افراد کے لیے ٹرانسپورٹ کا انتظام، رمضان پیکج وغیرہ اور اسی ٹرسٹ کے زیر اہتمام مختلف شعبوں میں پڑھنے والی طالبات کے لیے شادی کا انتظام، اور الحمدللہ اب اسی ٹرسٹ کے زیر انتظام الکہف سلائی سنٹر کا قیام بھی وجود میں آچکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ابراہیم اکیڈمی کے تحت آن لائن نہ صرف درسِ نظامی کی کلاسز بلکہ قرآنی عربی ودیگر آن لائن کلاسز بھی شروع ہیں اس کے علاوہ کالجز، یونیورسٹیز کے طلباء وطالبات اور طبقہ کے لیے Presentations کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہے۔ نیز الکہف ہاسٹلز فار بوائز الکہف طب نبوی کلینک (جس میں سنت، دعا، دوا، غذا اور حجامہ سے لوگوں کے علاج ومعالجہ کا انتظام کیا جاچکا ہے)۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ علاوہ ازیں الکہف ایجوکیشنل ٹرسٹ کے چند مزید منصوبوں پر کام شروع ہے جن میں الکہف سکول سسٹم، الکہف اکیڈمیز سرفہرست ہیں۔ اللہ کے فضل وکرم سے 1439 ہجری رمضان المبارک میں ملک بھر کے مختلف شہروں میں 40 جگہوں پر دورہ قرآن تکمیل پایہ۔

زیر نظر کتاب گلدستہ سنت کی جلد 7 دن اور رات کی مبارک سنتوں پر مشتمل ایک سیریز ہے جس کا مقصد عملی زندگی میں سنتوں کو لاکر زندگی کو اللہ کے نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مطابق ڈھالنا ہے۔ اور بعض حضرات نے (جن میں علماء کرام بھی شامل ہیں) سنت کی افادیت کو سامنے رکھتے ہوئے باقاعدہ اس کی تعلیم شروع کروادی ہے۔ اور الحمدللہ جو فرضوں سے غافل تھے وہ سنتوں کی طرف کھچے چلے آرہے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے سب سے بہترین طرز حیات اپنائیں اور وہ نبی ﷺ کا ہے۔ اس طرز حیات کو سیکھنا کتنی بڑی عبادت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمارہے ہیں: ایک دن علم کی تلاش کرنا سیکھنا، تین ماہ کے نفلی روزے رکھنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور گھڑی (لمحہ) دین سیکھنے میں لگانا، پوری رات نوافل میں کھڑے رہنے سے بہتر ہے۔

(الدیلمی فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

اور علم دین سیکھنے سکھانے والی محافل کو جنت کے باغات کہا گیا ہے۔ (الطبرانی)

اللہ تعالیٰ ہمارے لیے دنیا وآخرت میں آسانیوں والا معاملہ فرمائیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو پوری زندگی دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ آمین

کان اللہ لہ عوضا عن کل شیءٍ

دعا گو و دعا جو! محمد ابراہیم نقشبندی

چیئرمین الکہف ایجوکیشنل ٹرسٹ ٹاؤن شپ لاہور

عرض مرتب

گلدستہ سنت سیریز کا ایک اور ''گلِ بے مثال'' آپ احباب کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ یہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے حضرت حافظ محمد ابراہیم نقشبندی کے پرخلوص دل سوز بیانات کا یہ مبارک مجموعہ ترقی کے مراحل بخوبی طے کررہا ہے اور نا صرف عوام بلکہ خواص چھوٹے بڑے مرد وخواتین سے لے کر زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ نیز ذخیرہ احادیث میں سے ارشاد نبویہ ﷺ کا انتخاب کر کے زیر نظر کتاب میں سمو دیا ہے تاکہ امت مسلمہ تک یہ فیض پہنچا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ہر ہر حرف کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر نہ صرف ہماری بلکہ ہماری آنے والی نسلوں کی بھی مغفرت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

تمام قارئین سے عاجزانہ درخواست ہے کہ زیر نظر کتاب میں کسی بھی قسم کی غلطی دیکھیں تو ادارے کو مطلع فرمائیں یہ نہ صرف آپ کا احسان ہوگا بلکہ آپ کے صدقہ جاریہ

میں بھی اس کا شمار ہوگا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

مولانا قاری محمد عمران خان
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام لوگوں کے ساتھ برتاؤ

حصہ اول

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

قال اللہ تعالی: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ٥ (القلم:4)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٥

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

آئیڈیل شخصیت

انسان عمومی طور پر لوگوں میں رہنا ہی پسند کرتا ہے۔ تنہا رہنا اس کے بس میں نہیں۔ خواہ کتنی ہی نعمتیں اسے کیوں نہ مل جائیں۔ انسان اکیلے یہ سارا وقت گزار ہی نہیں سکتا۔ اور

دوسروں کے ساتھ اچھا وقت گزارنے کے لیے انسان کو اچھے اخلاق کی ضرورت پڑتی ہے تا کہ محبت کے ساتھ وقت کو گزارا جائے۔ جن لوگوں کی زندگی کا مقصد اللہ کو راضی کرنا ہے ان لوگوں کے لیے بے حد آسانیاں ہیں۔ جس کی زندگی کا مقصد اللہ کو راضی کرنا ہے تو پھر اسے لوگوں کی تکلیفوں کو برداشت بھی کرنا ہوگا، اور اپنے اخلاق کو عمدہ سے عمدہ کرنا ہوگا۔ اور اس کے لیے لامحالہ ایک آئیڈیل شخصیت کی ضرورت ہوگی جس کے اخلاق کو دیکھ کر ہم اپنے اخلاق کو سنواریں۔ اور ہمارے پاس ایسی آئیڈیل شخصیت صرف اور صرف حضور پاک ﷺ کی مبارک ذات ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے انداز بہت ہی خوبصورت ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کا ہر شعبہ ہی بہترین ہے، بلکہ جس کام کو حضور پاک ﷺ نے جس طریقے سے کیا اس کام کو اس سے بہتر طریقے سے کرنے کا انداز ممکن ہی نہیں ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے اپنے محبوب کو ہر وہ ادا عطا فرمائی جو بہترین اور قابل تھی۔ اگر کوئی اس سے بہتر ادا ہوتی تو نبی کریم ﷺ کو ملتی۔ گویا اس سے بہتر کوئی ادا نہیں ہے جسے حضور پاک ﷺ نے اختیار فرمایا۔ اگر ہم حضور ﷺ کی مبارک زندگی کو اپنے زندگی میں لے آئیں تو زندگی میں آسانیاں ہی آسانیاں پیدا ہوتی چلی جائیں۔ ہمیں پریشانی کہاں ہوتی ہے؟ جب ہم اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے راستے کو چھوڑ کر رسم و رواج والی زندگی پر چلتے ہیں تو جگہ جگہ پر رکاوٹیں آتی ہیں۔

تنظیم وقت

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم فرما لیا کرتے تھے:

ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے یعنی عبادت، تہجد، استغفار، ذکر اور دعا کے لیے۔

دوسرا حصہ اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے۔

تیسرا حصہ عام لوگوں کے لیے۔ (شمائل ترمذی: رقم 324)

نبی کریم ﷺ کی ایک ترتیب یہ سامنے آئی کہ آپ ﷺ اپنے اوقات کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اگر ہم سب اپنے کام ٹائم ٹیبل بنا کر (Time management) کے ساتھ کریں تو آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔

ایک عمومی شکایت

ہمارے ہاں بنات کے مدرسہ میں الحمدللہ! بڑی تعداد میں طالبات پڑھنے آتی ہیں۔ بعض دفعہ یہ شکایت کرتی ہیں کہ ہمارے کام پورے نہیں ہو پاتے۔ گھر کے کام، بچوں کے کام، پھر سسرال کی ذمہ داریاں، اور پھر اوپر سے پڑھائی کا بوجھ تو ایک مصیبت لگنے لگتا ہے۔ اسی طرح اور کئی لوگوں کی شکایت ہوتی ہے کہ جی! ذمہ داریاں بہت ہیں، وقت نہیں ملتا۔ اب یہ بات سمجھانے کے لیے کوئی General Formula نہیں ہوسکتا۔ شادی شدہ لوگوں کے لیے معاملہ الگ، غیر شادی شدہ کے لیے الگ، ہر ایک کے گھر کی نوعیت الگ ہے۔ پھر گھروں میں مزاج اور رویوں میں بھی فرق ہے۔ اس لیے کوئی ایک فارمولا ساروں کو نہیں دیا جاسکتا۔ جو جنرل باتیں ہیں وہ آج کی مجلس میں بیان کی جارہی ہیں۔ اس لیے توجہ اور دھیان دینے کی بہت ضرورت ہے۔

تین اہم باتیں

پہلی بات یہ کہ دین کو حاصل کرنے کے لیے قربانی دی جاتی ہے، بغیر قربانی کے دین نہیں آتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم اپنے اوقات کو تقسیم کریں، ٹائم ٹیبل بنائیں اور ہر چیز جتنی اہم ہے اس کو اس کے حساب سے رکھیں۔ اِن شاء اللہ آسانی ہوگی۔

تیسری بات یہ کہ ایک ڈائری بنائیں اور اپنے کاموں کو اس ڈائری پہ لکھنا شروع کریں۔ اس سے بھی اِن شاء اللہ بہت زیادہ آسانی ہوگی۔ ہر لکھے ہوئے کام کو کرنا آسان ہو جائے گا۔ ٹائم کو مینج کرنا (ترتیب دینا) انتہائی ضروری ہے۔

گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا

نبی کریم ﷺ کی مبارک عادت یہ تھی کہ اپنے گھر میں جب بھی داخل ہوتے تو گھر والوں کو سلام کرتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے خود نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے اور کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان (اپنے چیلوں سے) کہتا ہے کہ نہ اس گھر میں تمہارے لیے رات گزارنے کی جگہ ہے، اور نہ (تمہیں) کھانا (ملے گا)۔

یعنی جب انسان اپنے گھر میں داخل ہو تو داخل ہوتے وقت کی دعا پڑھ لے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ ، وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ ، بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا، وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا، وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا. (سنن أبي داود: رقم 5096)

اور جب کھانا کھائے تو کھانا کھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبَرَكَةِ اللّٰهِ. (المستدرك على الصحيحين: باب إذا أكل أحدكم طعاما...)

ان اعمال کے کرنے سے شیطان مایوس ہو جاتا ہے اور اپنے چیلوں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں تمہارے لیے آج کی رات نہ قیام کی جگہ ہے، اور نہ طعام کی جگہ۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں آگے یہ ہے کہ اور جب کوئی انسان گھر میں داخل ہوتا ہے اور اللہ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان (اپنے چیلوں سے) کہتا ہے کہ تمہیں رات گزارنے کی جگہ مل گئی، اور جب وہ کھانا کھانے کے وقت (بھی) اللہ کا نام نہیں لیتا تو شیطان (خوش ہوکر) کہتا ہے کہ یہاں تو تمہارے لیے رات گزارنے کی جگہ بھی ہے اور کھانا بھی۔

(صحیح مسلم: باب آداب الطعام و الشراب و أحکامهما)

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے شیطان کمزور پڑ جاتا ہے، اور بھاگ جاتا ہے۔ اس لیے ہم اپنے زندگی میں ذکر اللہ کو لے آئیں۔ جب گھر میں داخل ہوں سلام کریں، مسکراتے ہوئے اور دعا پڑھتے ہوئے داخل ہوں۔ کھانا کھانے لگیں تو کھانا کھاتے وقت کی دعا پڑھیں، بسم اللہ پڑھیں۔ اس طریقے سے ان شاء اللہ آسانیاں ہوں گی۔

آنحضرت ﷺ کی مجلس

گھر کی سنت کو بیان کرنے کے بعد اُن احادیث کو بیان کرتے ہیں جن سے اندازہ ہوجائے گا کہ ہمیں کسی مجلس میں کیا کرنا چاہیے؟

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس 100 سے زیادہ مرتبہ بیٹھا ہوں گا۔ آپ ﷺ کے رفقاء یعنی ہم لوگ آپ ﷺ کی مجلس میں أشعار پڑھتے اور بعض مرتبہ جاہلیت کے زمانہ کی باتیں بھی کر لیتے اور آپ ﷺ مسکراتے رہتے تھے۔ یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی رعایت رکھتے تھے، اُن سے یہ نہیں کہتے تھے کہ بھئی! کیا تم یہ قصے شروع کر دیتے ہو، یہ کون سی باتیں شروع کر دی ہیں، میں تو اللہ کا نبی ہوں اور تم میرے سامنے دنیا کی باتیں کرتے ہو۔ ایسا آپ ﷺ کی مجلس میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ نبی کریم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قریب کرنے کے

لیے، محبت دینے کے لیے ان کو بہت Relax رکھا کرتے تھے۔ ہاں! گناہ کی بات کوئی نہیں ہوتی تھی، غیبت کسی کی نہیں ہوتی تھی، بُرائی کسی کی نہیں ہوتی تھی، بُرائی کی طرف تلقین نہیں ہوتی تھی۔ جائز اور اچھی باتیں نبی کریم ﷺ کی مجلس میں ہوتی تھیں۔

حضرت سِمَاک بن حرب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ حضور پاک ﷺ کی خدمت میں بیٹھتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، حضور پاک ﷺ طویل خاموش رہتے تھے، تھوڑا ہنستے تھے (آپ ﷺ کا ہنسنا عام ہنسنا نہیں تھا، فقط مسکراہٹ ہوتی تھی) بعض مرتبہ صحابہ کرام اشعار پڑھتے اور زمانہ جاہلیت کی باتیں دہرا کر ہنستے تو نبی کریم ﷺ بھی اُن کے ساتھ مسکراتے۔ (مسندِ احمد: رقم 2262)

یہ نبی کریم ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی مجالس کو پاکیزہ رکھیں، گناہوں سے پاک رکھیں اور ماحول کے مطابق بات کو چلانے کی کوشش کریں بس گناہ نہ ہو۔

درسگاہ میں بیٹھنے والوں کے لیے ضابطہ

تاہم اس سے کوئی طالبہ یا معلمہ یہ نہ سمجھے کہ مدرسہ کے اندر عام باتوں کی اجازت ہے۔ قطعاً اجازت نہیں، بالکل اجازت نہیں۔ جب دین کا کوئی طالب مدرسہ میں داخل ہو گیا تو وہ اللہ کے لیے آیا ہے، اللہ کا دین حاصل کرنے کے لیے آیا ہے، لہٰذا کلاس روم کے اندر پڑھائی کے علاوہ کی کوئی بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کوئی کرتا ہے تو بہر حال یہ ہمارے لیے تکلیف کا ذریعہ ہے۔ کلاس روم میں بس Subject سے متعلق بات ہو، جو تعلیم سے متعلق ہے وہ ہو۔ اس کے علاوہ غیر ضروری باتیں کلاس روم میں نہ ہوں۔ اسی وجہ سے مدرسہ کے منتظمین نے ٹائم بھی اسی طرح سے رکھا ہے کہ Subject کے اوپر Subject۔ پوری ترتیب ایسی بنائی ہے کہ غیر ضروری باتوں کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ اس کے بہت فائدے ہیں، ہر ایک کا وقت

قیمتی بنتا ہے، لایعنی سے حفاظت رہتی ہے، نصاب وقت پر مکمل ہو جاتا ہے۔

سفارش کرنی چاہیے؟

نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کا بہت خیال کیا کرتے تھے، کوئی سفارش کے لیے آتا اور چاہتا کہ آپ ﷺ میری سفارش کر دیں تو نبی کریم ﷺ اس کے لیے دوسرے سے سفارش کر دیا کرتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بہت خوبصورت اور خوب سیرت نوجوان تھے۔ کوئی سوال کرتا تو اسے واپس نہ کرتے یہاں تک کہ لوگوں سے قرضہ لے کر بھی ضرورت مندوں کا خیال کرتے تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے گفتگو کی کہ آپ ﷺ میرے قرض خواہوں سے میری سفارش کر دیں، میرے پاس ابھی مال نہیں ہے۔ وہ تھوڑا سا مجھے مزید وقت دے دیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے لیے ان لوگوں سے بات کی جن کا قرضہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دینا تھا۔ یقیناً یہی کہا ہوگا کہ بھئی! ذرا سی نرمی، ذرا سا وقت دے دو۔

تو کسی ضرورت مند کی سفارش کرنا سنت عمل ہے۔ ہر سفارش گناہ نہیں ہوتی ہے۔ عام طور پر لوگ مطلقاً یہ سمجھ لیتے ہیں کہ سفارش ہے ہی گناہ۔ ہر سفارش گناہ نہیں۔ ضرورت مند کے لیے سفارش کرنا کہ اس کو مدرسے میں داخلہ دے دیں، اس کا خیال کر لیں، اس کا سال بچ جائے، یا کچھ اور مختلف اعتبار سے کسی نیک کام کی سفارش کرنا عبادت ہے اور سنت ہے۔

دو اہم باتیں

اس میں ایک اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ سفارش نیکی کے جذبے سے ہو، اس پر معاوضہ یا اُجرت یا ہدیہ نہ طلب کیا جائے، اور نہ دل میں اس کی طمع رکھا جائے۔

دوسری بات یہ کہ سفارش، سفارش کے درجہ میں ہو، اصرار یا ضد نہ ہو کہ ایسا بالکل کیا جائے۔ اور اگر سامنے والا اپنی کسی شرعی یا قانونی مجبوری کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو اس سے ناراض نہ ہوا جائے۔ اور نہ اگلے کسی وقت اس کی ضرورت کے موقع پر اس کے ساتھ بے رُخی اختیار کی جائے۔

سفارش کرنے کی فضیلت

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کوئی سائل آتا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب کسی حاجت کے متعلق سوال کیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرماتے: سفارش کرو، ثواب پاؤ گے، اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان (مبارک) پر جو چاہتے ہیں فیصلہ فرما دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری: رقم 1432)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سفارش کرو، ثواب پاؤ گے۔ بعض مرتبہ میں کسی کام کو دیر سے کرتا ہوں تا کہ تم سفارش کرو اور اس کا ثواب پاؤ۔ (سنن ابی داؤد: رقم 5132)

ممکن ہے کہ کسی حاجت مند کی حاجت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ لیتے لیکن تھوڑا انتظار فرماتے کہ کوئی ساتھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی سفارش کرے تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جو خیال کرنا ہے وہ تو کرنا ہی کرنا ہے، مگر دوسرے کو اس کا ثواب مل جائے۔

ساتھیوں کے ساتھ خدمت میں شراکت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ لوگوں کے ساتھ کام کاج میں خود شریک ہوتے، صرف Order کر کے Side پہ نہیں ہو جاتے تھے، بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریک ہوتے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سفر میں

تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک بکری کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ چناں چہ ساتھیوں میں سے ایک نے کہا کہ میں ذبح کروں گا اے اللہ کے رسول! دوسرے نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں کھال اُتارلوں گا۔ تیسرے نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں کھانا پکالوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اچھا! یہ جو کام ہے بکری کو ذبح کرنا، کھال اُتارنا، گوشت بنانا، پھر پکانا، سارے کام آپ کرلیں۔ اور میرے ذمہ یہ ہے کہ میں قریب جنگل کی طرف جاؤں گا اور لکڑیاں جمع کرکے آؤں گا اور آپ کو دوں گا۔ اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: اے اللہ کے نبی! ہم بہت ہیں آپ کے کام کے لیے، آپ فکر نہ کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگ بھی کافی ہیں، مگر مجھے یہ پسند نہیں کہ میں امتیازی شان کو نمایاں کروں۔ (خلاصة سير سيد البشر: ص 87، لا يعرف له إسناد)

یہاں بہت اہمیت کی بات بیان فرمائی: اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ پسند نہیں جو اپنے ساتھیوں کے درمیان امتیازی شان کو اختیار کرے کہ جی! میں کچھ ہوں۔ ایسا بندہ اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اسی لیے سب نے مل جل کر کام کرنا ہے۔ اب اسی حدیث کے اندر دو باتیں انتہائی اہم ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بکری کو ذبح کرنے کا ارادہ ہے تو ساتھیوں نے خود آگے بڑھ بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا کہ جی میں یہ کام کروں گا، میں یہ کام کروں گا، میں یہ کام کروں گا۔ جب ساتھیوں نے پیش کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں بھی فلاں کام کروں گا۔ اب اگر کسی معلم یا معلمہ کو مدرسہ کا منتظم، یا ذمہ دار کسی کام کا کہتا ہے کہ چاہیے کہ ہم خود اپنے آپ کو پیش کریں، پیچھے نہ رہیں۔ یہ پیچھے رہنے والے واقعی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو خدمت کے لیے آگے پیش کرتے

ہیں ان کے لیے دل سے جو دعائیں نکلتی ہیں وہ پیچھے رہ جانے والوں کے لیے نکل ہی نہیں سکتیں۔ پھر خدمت لینے والا یا نہ لے، یہ الگ بات ہے۔ بہر حال ہم خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں۔ یہ ہماری ڈیوٹی بنتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ منتظم یا ذمہ دار وہ خالی ایسے ہی نہ بیٹھے کہ جی ٹھیک ہے، سب نے کام لے لیا ہے۔ ایسے کام نہیں ہوتا۔ اوپر والا بندہ اور نیچے والے اس کے ساتھی مل جل کر کام کرتے ہیں تو اسی کو کہتے ہیں ٹیم ورک۔ اور ٹیم ورک سنت بھی ہے اور ٹیم ورک سے انسان کو عزتیں بھی ملتی ہیں۔ آج ہر کوئی اپنی کمپنی میں، اپنے ادارے میں یہ چاہتا ہے کہ یہاں One man show نہ ہو، یہاں Team work ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے کا شوق ہو، جذبہ ہو، ایک دوسرے کا خیال ہو، فکر ہو، اور یہ سب چیزیں سنت سے ملتی ہیں۔ ہم جہاں کہیں بھی ادارے میں ہوں، اس بات کا بہت زیادہ خیال کریں کہ سب لوگ مل کر آپس میں کام کریں۔ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔ اس سے بڑوں کا دل خوش ہوتا ہے اور دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔

ساتھیوں کی رعایت کرنا

حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ ہمارے سامنے بیان کیجیے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمھیں کیا بتاؤں؟ میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑوسی تھا، جب وحی نازل ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے بلاتے، چناں چہ میں آتا اور وحی لکھتا۔ اور جب ہم مجلس میں بیٹھے ہوتے اور مجلس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دنیا کا کوئی تذکرہ کرنے لگتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ دنیا ہی کا تذکرہ کرتے، اور

جب ہم آخرت کا تذکرہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہمارے ساتھ آخرت کا تذکرہ فرماتے۔ اور جب ہم کھانے پینے کی چیزوں کا تذکرہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کھانے پینے کی چیزوں ہی کا تذکرہ فرمانے لگتے۔ (شمائلِ ترمذی: رقم 333)

اپنے ساتھیوں کی رعایت کرنا بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ اور ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھ کر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ ٹیم ورک ہوتا ہی تب ہے جب انسان ایک دوسرے کے مزاج کی رعایت کرے، اس کے علاوہ میں ٹیم ورک ہو نہیں سکتا۔ اکیلے بس جو میری سوچ ہے، جو میرا خیال ہے، جو میرا مزاج ہے سب اس کے مطابق چلیں، یہ ٹیم ورک نہیں ہوگا۔ یہ تو جب تک وہ شخص زندہ ہے بس سب لوگ اس کی مانتے رہیں گے، جیسے ہی وہ دنیا سے گیا یا اس کا اثر کمزور ہوا بس کام ختم۔ سب کو ساتھ لے کر چلنا، محبت کے ساتھ اور حالات کو دیکھتے ہوئے چلنا یہ ایک مؤمن کی شان ہوتی ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کی ضرورت کا خیال کرتے تھے۔

حضرت مالک بن حُوَیرِث رضی اللہ عنہ کی روایت کا مفہوم ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے ہی رحم دل اور مہربان تھے۔ ایک مرتبہ ہم لوگ اپنے قبیلے کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دین سیکھنے کے لیے آئے۔ ہمیں بیس دن ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال ہوا کہ شاید ہمیں اپنے گھر جانے کا کوئی شوق پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے دریافت کیا کہ کیا تم اپنے پیچھے اپنے گھر والوں میں سے کسی کو چھوڑ آئے ہو؟ ہم نے پوری تفصیل بتا دی۔ جب ساری بات ہم نے عرض کر دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اب اپنے گھروں میں واپس چلے جاؤ، اور مستقل طور پر وہیں رہو، اور انہیں دین سکھاؤ، اور بھلائی کا حکم دو۔ (صحیح بخاری: رقم 6819، صحیح مسلم: رقم 674، باب من اُحق بالامامۃ)

نبی کریم ﷺ خود سے پہچان لیا کرتے تھے کہ کسی کی کوئی ضرورت تو نہیں۔ اللہ کرے کہ آج ہمیں بھی یہ چیز مل جائے کہ ہم اپنے ساتھیوں کا خیال کرنے لگ جائیں کہ بھئی فلاں کی کوئی ضرورت تو نہیں؟ اگر ضرورت محسوس کرے تو انسان کو چاہیے کہ دوسرے سے پوچھ لے اور دوسرے کو چاہیے کہ بلا تکلف بتا دے۔ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا ہے، ایک دوسرے کی ضروریات کو پورا بھی کرنا ہے، ساتھ لے کر بھی چلنا ہے۔ جن کو اللہ ربّ العزّت نے مال عطا کیا ہو، یا کوئی مقام عطا کیا ہو انہیں چاہیے کہ وہ ساتھیوں کی ضروریات کو پوچھتے رہیں اور ساتھیوں کو بھی چاہیے کہ جتنی ضرورت ہو اتنی ہی بتائیں اس سے زیادہ نہ بتائیں، نہیں تو پریشانی ہوتی ہے۔ جب آپس میں تعلقات اچھے ہوتے ہیں تو بعض مرتبہ کسی کے گھر میں بن بلائے چلے جانا بھی بڑی نعمت ہوتی ہے اور لوگوں کو خوشی ہوتی ہے۔ اور الحمدللہ! سنت بھی ہے، اور مجھے اس کا ذاتی تجربہ بھی بہت مرتبہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کا اہل تعلق کے گھر جانا

حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے تو میری والدہ نے آپ ﷺ کے لیے ایک عمدہ چادر بچھائی۔ آپ ﷺ اس پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں کھجوریں پیش گئیں۔ آپ ﷺ کھجوریں نوش فرماتے اور گٹھلی شہادت کی اور درمیان والی انگلی سے باہر نکال کر رکھ دیتے۔ پھر پینے کے لیے پانی پیش کیا گیا جو آپ ﷺ نے پی لیا اور جو باقی بچا تو اپنے دائیں جانب والے کو دے دیا۔ پھر میری والدہ نے اللہ کے نبی ﷺ سے عرض کی کہ آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں۔ چناں چہ اللہ کے نبی ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ ، وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ. (أسد الغابة: رقم 2455)

اس لیے اپنے قریبی تعلق والے کے ہاں جانا اور وہاں جا کر کھانا کھانے میں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ آپس کے تعلقات کو دیکھا جاتا ہے، جس کا اچھا ہونا ضروری ہے۔ عمومی طور پر تو بن بلائے جانا منع ہے۔ کسی کے گھر بن بلائے نہ جائے، ایسا کرنا غلط ہے۔ لیکن کہیں تعلق ایسا قریبی ہو اور آپ کو یقین ہو کہ وہ آپ کے بن بلائے پہنچ جانے پر خوش ہوگا، اور اسے دل کے اندر راحت ہوگی، اس کو خوشی ہوگی، وہ اچھا محسوس کرے گا کہ آپ نے اسے اپنا سمجھا۔ اگر کہیں واقعی ایسا کوئی تعلق ہو وہاں بن بلائے چلے جانا میں کوئی قباحت نہیں۔ شرعی اُمور مثلاً پردے وغیرہ کا خیال رکھتے ہوئے جا سکتے ہیں۔ لیکن کوئی ایسی جگہ ہو جہاں جاتے ہوئے اگلے کے دل میں یہ ہو کہ لو مصیبت آگئی، اب منع نہیں کر سکتے وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اب بظاہر تو وہ کہتے ہیں کہ جی جی ماشاء اللہ آپ آئے ہیں یا آئی ہیں، اور اندر دل میں یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ابھی ہی آنا تھا؟ معلوم ہوا کہ جہاں محسوس کیا جاتا ہو، وہاں بن بلائے نہ جانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتباعِ سنت کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام لوگوں کے ساتھ برتاؤ

حصہ دوم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

قال اللہ تعالیٰ: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ o (القلم:4)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ:

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی سے بات چیت کرتے تو کبھی اس کی بات کو درمیان میں نہ کاٹتے تاقتیکہ وہ حد سے تجاوز نہ کر جاتا۔ درمیان میں بات کاٹنے کو قطع کلامی کہتے

ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی عادتِ مبارکہ ایسی نہ تھی۔ بلکہ آپ ﷺ اگلے کی بات کو توجہ سے سنتے، ہاں! اگر وہ حد سے تجاوز کرنے لگ جاتا اور کوئی غیر مناسب رویہ ہونے لگتا تب نبی علیہ السلام یا تو اس کو منع فرما دیتے یا اُٹھ کر چلے جاتے تھے۔ (الشفاء للقاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ)

یہاں سے دو نکتے کی باتیں ہمیں ملتی ہیں:

قطع کلامی سے بچیے:

1 ہم دوسرے کی بات کو پورا سنیں، درمیان میں قطع کلامی نہ کریں۔ قطع کلامی اس صورت میں کوئی انسان کر سکتا ہے جب بات کرنے والا حد سے تجاوز کر جائے۔ بہت ہی آگے بڑھ جائے جیسا کہ نبی کریم ﷺ منع فرما دیتے تھے یا وہاں سے اُٹھ کر تشریف لے جاتے تھے۔ اس سے سامنے والے کو اندازہ ہو جاتا کہ میری بات کچھ زیادہ ہو گئی۔ یہ اخلاق سیکھنے، سمجھنے اور مشق (پریکٹس) کرنے سے آتے ہیں، اور اخلاق والوں کے ساتھ بیٹھنے سے آتے ہیں۔

ساتھیوں کی خبر گیری:

2 نبی کریم ﷺ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ضروریات کو پوچھتے رہتے تھے۔ اگر آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے اور کوئی ضرورت مند آکر پاس بیٹھ جاتا تو آپ ﷺ محسوس فرما لیتے اور نماز کو مختصر کر کے اس کی ضرورت دریافت فرماتے، اور اسے حل فرما کر دوبارہ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ (الشفاء)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے۔ ان کی نو بیٹیاں اور ایک بیٹے حضرت جابر رضی اللہ عنہ تھے۔ نبی کریم ﷺ نے خود محسوس فرمایا کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو ابھی ضرورت ہو گی۔ چناں چہ آپ ﷺ نے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے جابر! اگر میرے پاس بحرین سے مال آئے گا تو میں تمہیں اتنا، اتنا اور اتنا مال دے دوں گا۔ ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا۔ لیکن ہوا یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے اور وہ مال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں نہ آیا۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو بحرین سے مال آیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ بھئی! جس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی وعدہ ہو، لین دین ہو تو وہ آ کر مجھ سے لے لے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے یہ وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مٹھی بھر کر ان کو وہ مال عطا فرما دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے گنا تو وہ پانچ سو (دینار یا درہم) تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کہ اس کا دُگنا تم لے لو۔ (صحیح بخاری: رقم 2174)

یہ انبیائے کرام علیہم السلام کی شان تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کی ضروریات کو پوچھتے رہتے اور اس کو پورا کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ رضی اللہ عنہم کا اِکرام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر اور بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا کہ مہمان کثرت سے آ جاتے، جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سب کو کھانا کھلانے کا حکم فرماتے اور خود بھوک برداشت فرماتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں انصار کی ایک جماعت ایسی تھی جو خدمت کے لیے ہر وقت چاق و چوبند رہتی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھانا بھیجتے تھے، لیکن کوئی مہمان کوئی فقیر کوئی مانگنے والا اور کوئی ساتھی آ جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایثار کر دیا کرتے تھے۔ دوسروں کو کھلا دیا کرتے اور خود بھوک برداشت کر لیا کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کا ملاقات کے لیے جانا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دعوت کے موقع پر نبی کریم ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے گھروں پر بھی جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک انصاری گھرانے نے آپ ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا اور آپ ﷺ کو دعوت دی۔ آپ ﷺ نے ان کے یہاں کھانا کھایا اور پھر فرمایا کہ آؤ! میں تمہیں نماز پڑھاتا ہوں۔ چناں چہ گھر والوں نے چٹائی بچھائی، جائے نماز بھی کہہ سکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر نماز پڑھی، گھر والوں نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے انہیں دو رکعت نماز (نفل) پڑھائی اور پھر واپس تشریف لے گئے۔ (صحیح بخاری: باب الصلاۃ علی الحصیر)

دو رکعت نفل نماز کی جماعت کا مسئلہ علمائے کرام سے معلوم کرنا چاہیے۔ یہاں ہم کسی فقہی مسئلے پر بات نہیں کر رہے ہیں۔

بعض مرتبہ گھر والے خود درخواست کرتے کہ اے اللہ کے نبی! آپ ہمارے گھر کے فلاں حصے میں نماز پڑھیں تاکہ ہم اس جگہ کو (گھر والوں کے لیے) نماز کی جگہ بنائیں، وہاں عبادت کیا کریں۔ (سنن نسائی: رقم 737)

بات صرف اتنی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول فرماتے، اور اُن کے لیے برکت کی دعا فرماتے، اور کبھی برکت کے لیے اُن کے گھر میں نفل نماز بھی ادا فرماتے۔ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے عزیز و اقارب کے گھر جانا اور اس بات کا خیال رکھنا کہ بے پردگی نہ ہو، گناہ نہ ہو، ایک بہت خوبصورت چیز ہے۔

نبی کریم ﷺ کی بچوں سے محبت:

آپ ﷺ بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتے، سلام کرتے، محبت کرتے تھے۔ حضرت

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر جانے لگے تو سامنے سے کئی بچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کے لیے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (شفقت سے) اُن میں سے ایک ایک کے گال پر ہاتھ پھیرتے جا رہے تھے۔ میرے گال پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ پھیرا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا کہ عطر کی شیشی سے ہاتھ نکال کر پھیرا ہو۔ (صحیح مسلم: رقم 2329)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما چھوٹے تھے، اور رشتے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھتیجے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا اور مجھ سے ایک راز کی بات کی۔ میں وہ راز کی بات کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ (صحیح مسلم: رقم 522)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھیوں کی خبر گیری کرنا:

ایک اور بہت پیاری عادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملنے والوں میں سے جو روزانہ آنے والا ہوتا اور تین دن تک نہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے متعلق پوچھتے، دریافت فرماتے کہ وہ کدھر ہے؟ کیا بات پیش آئی؟ معلوم ہوتا کہ وہ سفر پر گیا ہوا ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے دعا فرماتے کہ اے اللہ! اس کے لیے سفر میں خیر فرما۔ اور اگر معلوم ہوتا کہ وہ مدینہ طیبہ ہی میں ہے اور نہ آنے کی وجہ نہیں پتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود چل کر اُس کے پاس تشریف لے جاتے، ملاقات فرماتے۔ اگر کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ بیمار ہے تو مزاج پُرسی کے لیے چلے جاتے، عیادت فرماتے، اور اپنے ساتھ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی لے جاتے۔ (مجمع الزوائد: رقم 3761)

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معاملہ تھا۔ ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ کوئی نظر نہ آتا تو اس کی فکر کرتے تھے۔ یہ تعلق کی بات ہے۔ روز کا آنے والا مسجد میں

جب وہ کسی وجہ سے نہ آیا، ناغہ ہوگیا تو آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی فکر کرتے، اس کی طرف جاتے، اور اگر کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کرتے تھے۔ آج ہمارے یہاں افسوس کی بات ہے کہ مسجد میں، مدرسے میں، تعلیم کے حلقوں میں اگر کوئی 15 دن بھی نہ آئے (الا ماشاء اللہ) تو کوئی پوچھنے نہیں آئے گا، مہینہ نہ آئے کوئی پوچھنے نہ آئے گا کہ ہاں بھئی! خیر ہے آپ آئے نہیں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معاملہ نہ تھا۔

آج اگر ایک دن دوکان بند رہ گئی، پھر ہر طرف سے فون آئیں گے کہ بھئی! خیر تو ہے آج دوکان بند ہے؟ کوئی مسئلہ کی بات تو نہیں؟ عبادت کے لیے کوئی نہ آئے، کوئی خانقاہ سالہا سال نہ آئے، مدرسہ کوئی برسہا برس نہ آئے، کبھی فکر نہیں کریں گے۔ ہمیں کسی کے دین کی فکر نہیں، نماز کی فکر نہیں۔ بعض مرتبہ تو ایسا میرے ساتھ بھی ہوا کہ سفر میں تھا تو دوکان دیر سے کھلی، فون آنے شروع ہوگئے کہ کیا بات ہے؟ 2 بج گئے دوکان نہیں کھلی۔ ہمارا معاملہ تو ایسا ہوگیا ہے۔ خیر! بات یہ چل رہی تھی کہ نبی کریم ﷺ اپنے تعلق والوں کی خیر خبر رکھا کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بے تکلفی:

نبی کریم ﷺ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بے تکلفی کا معاملہ برتتے تھے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ پُر تکلف نہ تھی۔ ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت ابو الہیثم انصاری رضی اللہ عنہ جو بہت بڑے باغ والے تھے۔ اُن کے پاس بکریاں بھی بہت تھیں اور پاس کوئی خادم نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ یہاں ابو الہیثم نہیں ہیں تو گھر والوں سے پوچھا کہ ابوالہیثم کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ وہ تو میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ اتنے میں

ابوالہیثم رضی اللہ عنہ بھی پانی کا مشکیزہ لے کر آ گئے، تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہلے سے موجود ہیں۔ مل کر انتہائی خوشی ہوئے، اور اپنے ماں باپ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا کرنے لگے (انتہائی عزّت دینے کو کہتے ہیں)۔ پھر ان حضرات کو اپنے باغیچہ میں لے گئے، اور ان کے لیے چٹائی بچھائی اور کھجور کے باغ سے ایک خوشہ کھجور کا لے کر آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (محبت سے) فرمایا: پکی ہوئی کھجوریں لے آتے پورا ہی خوشہ لے آئے ہو، اس میں کچی کھجوریں بھی ہیں اور پکی بھی۔ کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! میں نے یہ ارادہ کیا کہ جو آپ کو پسند ہوں وہ آپ لیں۔ سب لوگوں نے کھایا، اور پانی پیا۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هذا والَّذي نفْسي بيَدِه مِن النَّعيمِ الَّذي تُسأَلونَ عنه يومَ القيامةِ: ظِلٌّ باردٌ، ورُطَبٌ طيِّبٌ، وماءٌ بارِدٌ. (سنن الترمذي: رقم 2369)

خدا کی قسم! یہی وہ نعمت ہے جس کے متعلق تم سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا، ٹھنڈا سایہ، تازہ کھجور اور ٹھنڈا پانی۔ یعنی سائے میں بیٹھ کر پانی پینا، کھجوریں کھانا، یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ قیامت کے دن اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ اللہ پاک ہماری حفاظت فرمائے اور ہمیں شکر کی توفیق عطا فرمائے۔

شرح زرقانی میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: جب تم کھانے لگو تو بسم اللہ کہو، اور جب تم کھا چکو تو ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، یہ تمہارے لیے کافی ہوگا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هُوَ أَشْبَعَنَا، وَأَنْعَمَ عَلَيْنَا وَأَفْضَلَ.

(شرح الزرقاني: باب الطعام والشراب)

ساتھیوں سے دل صاف رکھنا:

نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شدید محبت فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

لا يُبلِّغُنِي أحدٌ من أصحابِي عن أحدٍ شيئًا، فإنِّي أحبُّ أن أخرج إليكم وأنا سَلِيم الصَّدر. (سنن أبي داود: رقم4860، سنن الترمذي: رقم3896)

ترجمہ: ''تم میں سے کوئی میرے پاس میرے صحابہ سے متعلق بُری بات نہ لائے، کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ جب میں تم لوگوں کے سامنے آؤں تو میرا سینہ (تم لوگوں کی طرف سے) صاف ہو''۔

ابوداؤد شریف کی شرح ''عون المعبود'' میں علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اور سنن ترمذی کی شرح ''تحفۃ الاحوذی'' میں علامہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کی خواہش اور چاہت یہ تھی کہ جب دنیا سے رخصت ہوں تو ہر صحابی کی طرف سے اُن کا دل صاف ہو، کسی سے ناراضگی کا معاملہ نہ ہو۔

یہ بہت اہم ترین بات ہے کہ ہم ساتھیوں کی شکایت اپنے بڑوں سے نہ لگائیں۔ ورنہ تو اُن کے دلوں میں اپنے کام کرنے والوں کے لیے کدورت پیدا ہو جائے گی جو ساتھیوں کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔ تعلیمی معاملہ ہو، یا دنیاداری کا بات کو سمجھیں اور سمجھانے کی کوشش کریں اگر کچھ غلط نظر آ رہا ہے۔ کسی کی بات کو دل میں لے کر بیٹھ جانا اور پھر اس کے متعلق بلاوجہ تکلیف دہ باتیں نقل کرنے سے دنیا و آخرت کا نقصان ہے۔ اور بسا اوقات مقتدا حضرات اس پر اعتماد کر لیتے ہیں، پھر بدگمانیاں اور خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے مدرسے میں ایک پابندی یہ ہے کہ

کلاس کے اندر اس مضمون کے علاوہ کسی کے متعلق کوئی بات نہ ہو۔ جب بات ہی نہ ہوگی تو خرابیاں بھی نہ ہوگی۔ جو اُصول وضوابط ہیں ان پر عمل کرتے چلے جائیں، ان شاء اللہ کسی کو کسی سے شکایت پیدا نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضامندی نصیب فرمائے، اپنی محبت عطا فرمائے اور ہمیں اپنے لیے خالص فرما دے۔ جب تک سانس میں سانس ہے، جسم میں جان ہے اللہ ربّ العزّت دین کی محنت کی، اور دین کو سمجھ کر عمل کرنے کی اور آگے پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یاربّ العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچوں کے ساتھ برتاؤ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَا دِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ

وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا○ (الاحزاب:21)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

پریشانی کا حل:

ہم پریشان ہوتے ہیں اور پریشانی کے عالم میں اس کا حل ڈھونڈتے ہیں۔ پھر

کبھی کسی عامل کے پاس جاتے ہیں، کبھی کسی جادوگر کے پاس جاتے ہیں، یا پھر کسی مخلوق کے دروازے پر جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہماری پریشانیاں دور نہیں ہوتیں۔ عاملین کے پاس جانے والے لوگ، در در کے دھکے کھانے والے لوگ، در در پر جانے والے لوگ، جن کی زندگیاں گزر گئیں، جوانی سے بڑھاپا آ گیا، آخری وقت قریب آ گیا مگر پریشانیاں ختم نہیں ہوئیں۔ پریشانیوں کا حل صرف وصرف نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی میں ہے۔ ہم نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی کو اپنائیں، نبی کریم ﷺ کی مبارک سنتوں کو اپنائیں۔ اللہ ربّ العزّت پریشانیوں کو خود بہ خود دور کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ انسان اپنی انسانیت پر آ جائے اس کے لیے حضور پاک ﷺ کی مبارک زندگی بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کے مبارک طریقے میں معاشرتی پہلو بھی چھپے ہوئے ہیں، سائنسی پہلو بھی چھپے ہوئے ہیں، صحت کے اعتبار سے بھی بہت سارے فائدے ہیں، غرض ہر ہر چیز کے اندر انسان کو فائدے ملتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے سادہ اور Simple سی بات یہ ہے کہ وہ ہر کام نبی کریم ﷺ کے طریقے پر کر لے اس کی زندگی آسان ہو جائے گی۔ جب نبی کریم ﷺ کے طریقوں کو چھوڑتے ہیں شیطان کو پھر نقب لگانے کا موقع مل جاتا ہے۔ بس پھر پریشانیاں شروع، پھر مسائل آتے ہیں۔

تربیتِ اولاد دین ہے:

اولاد کی اچھی تربیت کرنا بھی دین ہے۔ اس کے لیے بھی نبی کریم ﷺ کی زندگی ہی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ موجودہ دور میں ہمارا بچوں کے ساتھ برتاؤ سنت کے

مطابق نہیں ہے۔ اگر ہمارا برتاؤ، رویہ سنت کے مطابق ہوتا تو بچے ہم سے محبت کرتے، ہم ان سے محبت کرتے۔ سنت میں کمی کی وجہ سے معاملہ خراب ہے۔ آج کی مبارک مجلس میں نبی کریم ﷺ کے چند واقعات استفادے کے لیے ذکر کیے جارہے ہیں۔

یہ بچے کون ہیں؟ یہ بچے وہ ہیں جنہوں نے ہمارے جانے کے بعد دین کو آگے لے کر چلنا ہے۔ ہمیں دین کی محنت، دین کی امانت جو اپنے بڑوں سے ملی وہ ہم نے اپنی آئندہ نسل کو دینی ہے، اورانہوں نے اس کو اور آگے لے کر چلنا ہے۔ یہ جو صرف ایک بچہ نظر آرہا ہے یہ ایک بچہ نہیں ہے، یہ آپ کی قیامت تک آنے والی نسل ہے۔ اس لیے ایک ایک بچے کی تربیت قیامت تک آنے والی نسل کی تربیت ہے۔

اولاد کی تربیت کے تین اُصول:

نبی کریم ﷺ نے اولاد کی بہترین تربیت کے لیے تین بنیادی اُصول اپنی اُمت سے بیان کیے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

أدّبوا أولادكم على ثلاث خصال.

''اپنی اولاد کی تربیت تین عادتوں پر کرو''۔

1 حُب نبيّكم ''اپنے نبی کی محبت پر''۔

2 وحب أهل بيته ''اہلِ بیت کی محبت پر''۔

3 وقراءة القرآن ''قرآن مجید کی تلاوت پر''۔

فإنّ حملة القرآن في ظلّ الله يوم لا ظلّ إلا ظله مع أنبيائه وأصفيائه.

(الجامع الصغير للسيوطي: ص 14)

''حاملینِ قرآن اللہ کے عرش کے سائے میں ہوں گے اس دن جب اس کے سائے

کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا، (اس کے سائے میں) انبیاء اور چنے ہوئے بندوں کے ساتھ (ہوں گے)"۔

یوں کہہ لیجیے کہ جس نے اپنی اولاد کی تربیت ان تین باتوں پر کرلی: نبی کی محبت، اہلِ بیت کی محبت، اور قرآن کی محبت پر، تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حاملینِ قرآن یعنی قرآن پاک کے حفاظ کو عرش کا سایہ نصیب فرمائیں گے۔

اولاد کیسے کام آنے والی بنے گی؟

آج ہم نے ان تین بنیادی اصولوں میں سے کون سا اُصول اپنایا ہے۔ بہت سارے لوگوں نے تینوں ہی نہیں اپنائے، اور بہت سارے ایسے بھی ہیں جنھوں نے کچھ حصہ اپنایا ہوا ہے اور کچھ چھوڑا ہوا ہے۔ جس میں اپنی مرضی ہے، مزا ہے وہ اپنا لیا۔ جہاں قربانی ہے، نفس کو چوٹ پڑتی ہے وہ چھوڑ دیا۔ ہم اولاد کی تربیت اس طرح سے نہ کریں کہ صرف بڑھاپے میں کام آئے۔ بہت سارے لوگوں کی یہی سوچ ہوتی ہے کہ اولاد بڑھاپے میں سہارا بنے۔ یہ مکمل سوچ نہیں ہے۔ مکمل سوچ یہ ہے کہ اولاد کی تربیت ہم ایسے کریں کہ بڑھاپے میں بھی کام آئے، مرجائیں تو قبر میں بھی کام آئے اور قیامت کے دن بھی آئے۔ اس بنیاد پر اولاد کی تربیت کریں گے تو پھر معاملہ آسان ہو جائے گا۔

Generation Gap

مقصد و منزل متعین کرنے کے بعد راستہ منتخب کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی اولاد کی تربیت کا ٹارگٹ ہی طے نہیں کرتا تو راستہ بھی منتخب نہیں کر پاتا۔ بس جس طرف چل پڑے سو چل پڑے۔ نبی کریم ﷺ اپنے سگے بچوں کے ساتھ، سوتیلے بچوں کے ساتھ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں کے ساتھ کیسے رہتے تھے، یہ جاننا بہت ضروری ہے۔

اس سے اندازہ ہوگا کہ اس جنریشن (نسل) کا تعلق اگلی جنریشن کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے۔ یہ تعلق اگر سنت کی بنیاد پر ہوگا تو Generation Gap پیدا نہیں ہوگا۔ اور اگر بڑوں کی سوچ الگ ہے، آپس میں رابطے نہیں ہیں تو Generation Gap آئے گا۔ بڑوں کی بہت ساری صفات اور Qualities ہوتی ہیں جو اُن کی اولاد میں نہیں ہوتیں۔

حضور ﷺ کی خوش مزاجی اور پُر مزاجی:

حدیث شریف میں آتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ بچوں کے ساتھ بڑے خوش مزاج اور پُر مزاج تھے۔ تمام بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ معاملہ تھا۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بچوں کے ساتھ رُعب جھاڑ رہے ہوتے ہیں، یہ رویہ نقصان دہ ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنے نواسوں کا بوسہ لیتے، ان سے محبت کرتے تھے۔ اس سے محبت بڑھتی ہے، دلوں کے اندر دوریاں نہیں محبتیں آتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں، لیکن آپ ﷺ نے طریقہ بتا دیا کہ بچوں کے ساتھ محبت سے رہنا ہے، انہیں قریب کرنا ہے تو اُن کی عادات بھی اپنانی ہوں گی۔ حضور پاک ﷺ کی سنت سمجھ کر بچوں سے محبت کریں گے، ان کے ساتھ کھیلیں گے تو اِن شاء اللہ اس کا اَجر بھی ملے گا اور بچوں کے اندر بھی سنت کی پیروی کا شوق پیدا ہوگا۔

بچوں کے ساتھ دل لگی کے واقعات:

1. حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک بیٹی تھیں زینب رضی اللہ عنہا۔ نبی کریم ﷺ ان سے کھیلتے تھے اور یوں فرماتے تھے:

يَا زُوَيْنَبُ، يَا زُوَيْنَبُ. (السلسلة الصحيحة للألباني: رقم 2141)

''اے چھوٹی سی زینب، اے چھوٹی سی زینب''۔

جیسے ہم بچیوں کو منی کہتے ہیں، اس طرح سے عربی میں کہنے کا انداز ہے۔

2 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹے نواسے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اپنی زبان مبارک باہر نکال کر دکھاتے، حضرت حسین بچے تھے، زبان کی سرخی کو دیکھ کر خوش ہوتے اور دوڑ کر نانا کے پاس جاتے۔ (سلسلہ صحیحہ: رقم 70)

3 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے اِن دونوں کانوں نے سنا ہے، اور میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے دونوں ہاتھوں سے حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑے۔ (راوی کو شک ہے کہ دونوں بھائیوں میں سے کون سے بھائی تھے) پھر ان کے دونوں پاؤں کو اپنے پاؤں مبارک پر رکھا اور فرمایا: اوپر چڑھو۔ یہ اوپر چڑھ گئے یہاں تک حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اَقدس پر کھڑے ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنا منہ کھولو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا بوسہ لیا اور فرمایا: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی اس سے محبت کیجیے۔

(الادب المفرد للبخاری: رقم 241)

4 حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ پانچ سال کے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برتن میں رکھے پانی سے کلی کرنے والے تھے کہ یہ سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دل لگی کرتے ہوئے اپنے منہ مبارک سے پانی کی کلی ان کے چہرے پر کی۔ اس کی برکت یہ ہوئی کہ جب حضرت محمود رضی اللہ عنہ بڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کا یہ واقعہ وہ کبھی نہیں بھولے۔ وہ لوگوں کو یہ واقعہ سنایا کرتے تھے۔ محدثین اتنے چھوٹے بچوں کو صحابہ کی فہرست میں شمار نہیں کرتے، کیوں کہ ایسے بچے کو عموماً پہچان نہیں ہوتی اور

بات جلد بھول جاتی ہے، لیکن حضرت محمود رضی اللہ عنہ کو صغار صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے کہ بچے کی سماعت کب ٹھیک ہوتی ہے اور اس میں اسی حدیث کو نقل کیا ہے۔

5 بعض مرتبہ آپ ﷺ اپنے دونوں بازو پھیلاتے اور بچوں سے کہتے کہ آؤ بھئی! میرے پاس آؤ! جو پہلے آئے گا اس کو انعام دیں گے۔ اب بچے دوڑ کر آتے۔ کوئی آپ ﷺ کے سینے سے لگتا، کوئی پاؤں مبارک سے لپٹتا۔ آپ ﷺ ان کو سینے سے بھی لگاتے اور ان کے بوسے لیتے، اور ان کو ساتھ چمٹا بھی لیا کرتے۔ بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے، بچوں کو محبت دیا کرتے تھے۔

6 حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جسے ابوعمیر کہتے تھے۔ وہ دودھ پیتا بچہ تھا۔ اس کے پاس ایک چھوٹی سی چڑیا تھی جس سے وہ کھیلتا تھا۔ (چڑیا کا بچہ مر گیا تو ابوعمیر افسردہ ہو گئے) نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو (دیکھا کہ ابوعمیر غمزدہ ہیں) پوچھا: اے ابوعمیر! تمہارے پرندے نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ کیا تمہیں چھوڑ کر چلا گیا؟ (صحیح بخاری: رقم 3947)

آپ ﷺ بچوں سے خوش مزاجی کا معاملہ رکھا کرتے تھے۔ چھیڑنے کے لیے نہیں، تھوڑا سا خوش کرنے کے لیے۔

7 حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ انصار کے لوگوں سے ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ انصار کے بچے ملتے تو آپ ﷺ خود سلام کرنے میں پہل کرتے تھے۔ (صحیح الجامع: رقم 4947)

آج یہ چیز بھی دلوں کے اندر سے ختم ہو گئی ہے۔ بڑے یہ چاہتے ہیں کہ بچے ہمیں سلام کریں، ہمیں نہ پہل کرنی پڑے۔ اگر بچے بھی یہ سوچنے لگ جائیں کہ بڑا مجھے سلام

کرے تو وہ اس کے لیے خرابی کی بات ہے۔ ہر ایک کو چاہیے کہ وہ سلام میں پہل کرے۔ سلام میں پہل کرنے سے تکبر ختم ہوتا ہے۔

8 نبی کریم ﷺ بہت بے تکلف زندگی گزارتے تھے۔ بناوٹ اور تصنع نہیں تھی۔ بہت سادہ خوبصورت زندگی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھانے کی دعوت میں جا رہے تھے۔ راستے میں دیکھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ دیگر بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھ گئے۔ اور حضرت حسین کو گود میں لینے کے لیے ہاتھ پھیلا دیے۔ بچہ دیکھنے لگا کہ نانا جان مجھے پکڑنے کے لیے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں تو کبھی اِدھر، کبھی اُدھر دوڑنے لگا۔ نبی کریم ﷺ بچے کو کھلا رہے ہیں۔ صحابہ کرام کی جماعت ساتھ ہے۔ اور یہ گھر کے اندر چار دیواری میں نہیں ہو رہا یہ راستے میں ہو رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ کھلاتے جا رہے ہیں، بچپن کی مستی اور بچپن کا مزاج ہے کہ بچہ اِدھر سے اُدھر دوڑ رہا ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ انہیں پکڑ لیا اور ان کا ایک ہاتھ اپنی ٹھوڑی کے نیچے دبایا اور دوسرا ہاتھ اپنے سر اور کانوں کے درمیان رکھا، اسے سینے سے لگایا، بوسہ لیا اور فرمایا: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، خدا اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرے، حسن و حسین تو میری اولاد میں سے ہے۔ (سنن ترمذی: رقم 3775)

نواسے کی شہادت کی خبر:

نبی کریم ﷺ بچوں کے ساتھ بہت محبت کرتے تھے۔ کبھی بچے کھیلتے کھیلتے نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک پر یا پیٹ مبارک پر سو جاتے تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ گھر کے اندر آئے اس وقت آپ ﷺ پر وحی اُتر

رہی تھی۔ (یہ چھوٹے تھے، انہیں معلوم نہیں تھا اور) یہ آپ ﷺ کے کندھے پر چڑھ گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ حسین سے محبت کرتے ہیں؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے جبرائیل! کیوں نہیں، مجھے اس سے محبت ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ کی اُمت آپ کے بعد اسے شہید کر دے گی۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے ہاتھ لمبے کیے اور وہ مٹی جس پر حضرت حسین شہید ہوں گے، اللہ کے نبی ﷺ کو دکھائی۔ (مجمع الزوائد: رقم 15114)

نبی کریم ﷺ کو یہ اطلاع پہلے ہی دے دی گئی تھی۔ سوچیے کیسا حال ہوا ہوگا نبی کریم ﷺ کا اس بات کو سن کر۔ ہمیں اس کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے!!

بچوں کا پیشاب کرنا:

حضرت اُمّ قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے دودھ پیتے بچے کو اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں لے آئی۔ پھر (برکت کے لیے یا دعا کے لیے) وہ بچہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک میں دیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی گود میں بٹھایا تو اس نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ (آپ ﷺ نے نہ ڈانٹا، نہ جھڑکا) پانی منگوایا اور کپڑا صاف کیا۔ (صحیح بخاری: رقم 221)

شرح بخاری میں معجم اوسط کی روایت نقل کی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت حسین یا حضرت حسن (راوی کو شک ہے کہ دونوں بھائیوں میں سے کون سے بھائی تھے) نے آپ ﷺ کے پیٹ مبارک پر پیشاب کر دیا۔ آپ ﷺ نے فوراً سے اسے نہیں ہٹایا یہاں تک کہ وہ اطمینان سے فارغ ہوگئے۔ پھر آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور بہا کر جگہ کو پاک کر دیا۔ (فتح الباری تحت باب بول الصبیان)

آپ ﷺ بچوں کے ساتھ بے تکلف ہوتے تھے۔ یہ ہے محبت۔ اتباعِ سنت کے اندر ہمارے بزرگوں نے عجیب عجیب مثالیں قائم کی ہیں۔

مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا شوقِ اتباعِ سنت:

حضرت امامِ ربانی مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں اتباعِ سنت کا ایک عجیب ہی شوق تھا۔ بہت مجاہدے کر کے سلوک کے مقامات طے کیے۔ فرماتے تھے کہ جو ترقی اتباعِ سنت سے ملتی ہے وہ کسی اور چیز سے نہیں ملتی۔ حضرت اتباعِ سنت کے سچے عاشق تھے۔ ایک مرتبہ کسی ضرورت کی وجہ سے مرید سے کہا کہ لونگ لے آؤ۔ مرید جفت عدد میں لونگ لایا۔ حضرت بڑے ناراض ہوئے۔ کہنے لگے: بڑے صوفی بنے پھرتے ہو، تمہیں یہ نہیں پتا کہ اللہ تعالیٰ کو طاق عدد پسند ہے۔ طاق عدد میں لانا چاہیے تھا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سنت قیلولہ کی نیت سے دوپہر میں تھوڑی دیر کا سوجانا ہزاروں سال کی اپنی مرضی کی نوافل اور شب بیداریوں سے افضل ہے۔ اب ایک طرف مختصر وقت کی نیند ہے اور ایک طرف ہزاروں سال کا جاگنا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ جو اپنی مرضی سے ہے، اپنے شوق سے ہے اس کی وہ قیمت نہیں ہے جو اتباعِ سنت سے ملتی ہے۔ اس لیے کہ اس قیلولے کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ نسبت ہے۔ اس نسبت نے اس تھوڑی سی نیند کو وہ مقام عطا کیا کہ وہ مقام کہیں اور سے مل نہیں سکتا۔

ایک مرتبہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ میں نے تمام سنتیں پوری کر لیں جو میرے علم میں آئیں۔ جتنا میں نے پڑھا ہر ہر سنت پہ میں نے عمل کیا، مگر ایک سنت رہ گئی وہ میں پوری نہیں کر سکا۔ وہ سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹی دی ہے اور میری بیٹی کو بیٹا

نہیں دیا۔ یعنی میرا نواسا کوئی نہیں ہے۔ یہ سنت میں نے پوری نہیں کی۔ مجھے اس کا افسوس ہے۔ تاہم میں وصیت کرتا ہوں کہ اگر میرے مرنے کے بعد میری بیٹی کے ہاں بیٹا ہو جائے تو اس کو میری قبر پہ بٹھا دینا وہ وہیں قبر پر ہی پیشاب کر دے۔

یہ ان کی عشقِ نبی میں محبت کی باتیں ہیں۔ اس پر فتوے نہ لگا دیجیے گا کہ بچے کو قبر پہ بٹھانا کیسا ہے؟ پیشاب کرانا کیسا ہے؟ شرعاً ایسی وصیت پر عمل نہیں کیا جاتا۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ صاحبِ مقام بزرگ تھے۔ اور انہیں اتباعِ سنت کا اتنا شوق تھا اور غلبہ تھا۔

بچوں کے ساتھ بچیوں کا خیال رکھنا:

رسول اللہ ﷺ جب مجلس میں بیٹھے ہوتے اور کوئی چیز تقسیم کرنی ہوتی تو حضور ﷺ بچوں کا خود خیال کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اکیدر بادشاہ نے کھانے کے لائق چیز سے بھرا ہوا مٹکا آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے نماز کے بعد سب میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اُن کا حصہ دیا۔ پھر دوبارہ بلایا اور ایک حصہ مزید دیا۔ حضرت جابر نے عرض کیا کہ آپ مجھے دے چکے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ (تمہارے والد) عبداللہ کی بیٹیوں کے لیے ہے (یعنی تمہاری بہنوں کے لیے ہے)۔ (مجمع الزوائد: رقم 8038)

یعنی نبی کریم ﷺ سب کو دے رہے تھے بچوں کو بھی دیا۔ ایک یتیم بچے حضرت جابر کی بہنوں کا خیال آ گیا کہ بھائی تو لے جا رہا ہے، اس کی بہنوں کو کچھ نہیں ملا تو بلا کر اور دیا۔ بچوں کو قریب کرنے کے لیے، محبت دینے کے لیے، تعلقات میں بہتری کے لیے بچوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا یہ عمل تھا۔ ہمیں چاہیے کہ بچوں سے رعایت والا معاملہ کیا کریں۔ بچوں کے علاوہ بچیوں کے ساتھ الگ شفقت کا معاملہ رکھیں۔

خصوصی شفقت کا معاملہ:

نبی کریم ﷺ کی ایک عادت مبارکہ اور بھی تھی۔ جب کسی صحابی کے ہاں ولادت ہوتی تو وہ اپنے نومولود کو اُٹھا کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے آتا۔ نبی کریم ﷺ اسے تحنیک دیتے۔ اسے ہم گھٹی کہتے ہیں۔ آج کل یہ عمل بھی متروک ہوتا جا رہا ہے۔ اکثر و بیشتر اب اس کی رعایت نہیں رکھی جا رہی حالاں کہ یہ سنت عمل ہے۔ اس قسم کے کئی واقعات ہیں کہ لوگ پیدا ہونے والے بچے کو لے آتے، آپ ﷺ انہیں تحنیک دیتے، اُن کا نام تجویز فرماتے اور برکت کی دعا دیتے۔ اگر بڑے بچے بھی خدمتِ اقدس میں تشریف لاتے تو نبی کریم ﷺ ان کے لیے بھی دعا کرتے اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے۔ نبی کریم ﷺ کی یہ مستقل عادت شریفہ تھی۔

تحنیک سنت ہے اور ہمیں یہ عادت اپنانے کی ضرورت ہے۔ خاندان کے بڑے بزرگ جیسے والد، دادا سے تحنیک کروانے میں اور بھی فائدے ہیں۔ بعض ڈاکٹروں کا یہ کہنا ہے کہ گھٹی دینا اسلامک Vaccination ہے۔ جب بزرگ چھوٹے بچے کو گھٹی دیتے ہیں تو اس کی صفات آگے بچے میں منتقل ہو جاتی ہیں۔

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں ہوتا:

حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ نبی کریم ﷺ حسن بن علی (یعنی اپنے نواسے) کا بوسہ لے رہے ہیں۔ بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! (آپ بچوں کے ساتھ اتنی محبت کرتے ہیں، ان کو بوسہ دے رہے ہیں) میرے دس بچے ہیں میں نے تو کبھی کسی کو پیار نہیں کیا۔ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ. (صحيح البخاري: رقم 5651)

ترجمہ: ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں ہوتا''۔

بچے کو ران پر بٹھانا:

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مجھے پکڑ کر اپنی ران پر بٹھاتے تھے۔ اور دوسری ران پہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بٹھاتے، پھر دونوں کو آپس میں ملاتے اور فرماتے کہ اللہ! آپ ان پر اپنی رحمت فرمایئے اس لیے کہ میں ان کے ساتھ رحمدلی کا معاملہ کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری: رقم 5657)

ہم بچوں سے محبت کریں، یہ بچے ہم سے محبت کریں گے۔ پھر یہ بات بھی مانیں گے اور فرماں بردار بھی بنیں گے۔

بچوں کو مسجد لے جانا:

موبائل ہاتھوں میں آنے سے پہلے باپ، دادا، چچا وغیرہ بچے کی انگلی پکڑ کے مسجد لے جاتے تھے، اللہ کا گھر دکھاتے تھے۔ لیکن آج الا ماشاء اللہ اپنے بچوں کا ہاتھ پکڑ کر اللہ کا گھر دکھانے والا کوئی نہیں ہے۔ اپنی اولاد کو موبائل دے دیتے ہیں، مگر مسجد نہیں لے جاتے۔ مسجدوں میں چھوٹے بچوں کی تعداد جو تیس چالیس سال پہلے ہوتی تھی وہ آج نہیں ہے۔ جب ہم خود اپنے بچوں کو محبت سے مسجد لے کے نہیں جائیں گے تو پھر Generation gap پیدا ہوگا۔ وہ ہمارے لیے خاک دعا کریں گے۔ آج کل تو رواج چل پڑا ہے کہ ایک منٹ یا دو منٹ کی خاموشی اختیار کرو اور چار موم بتیاں جلاؤ۔ کیا اس طرح رخصت ہونے والا کا حق ادا ہو جائے گا؟ باقاعدہ اسکولز و کالجز میں ایسا ہو رہا ہے۔ اس لیے انگلی پکڑ کر بچے کو مسجد میں لے آئے۔ کل کو یہ بچے صدقہ جاریہ بن جائے۔

بچوں پر سختی کرنے والوں کے نام پیغام:

کئی بچے ایسے بھی ملتے ہیں جو اس لیے مسجد نہیں آتے کہ مسجد کے نمازی ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا معاملہ بھی دیکھ لیجیے۔ نبی کریم ﷺ جب سجدے میں ہوتے تو بسا اوقات آپ کی نواسی آپ کے اوپر آجاتی۔ کبھی حضرات حسنین رضی اللہ عنہما پیٹھ پر سوار ہوجاتے تو آپ ﷺ سجدہ لمبا کردیتے جب تک کہ وہ اُٹھ نہ جاتے، یا آپ ﷺ ہاتھ سے ان کو ایک جانب نہ کردیتے۔ نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے اور یہ آپ ﷺ کے پاؤں کے درمیان سے نکل کر آتے جاتے۔ اور ہمارا مزاج یہ ہے کہ جی صوفی کا مراقبہ ہو رہا ہے تو چند منٹ کا کرفیو لگ گیا۔ اب ذرا شور ہوجائے تو مراقبہ کا ستیاناس کردیا، جو منہ میں آیا کہہ دیتے ہیں۔ جب آپ عبادت کررہے ہوں، قرآن پڑھ رہے ہوں، ذکر و مراقبہ کررہے ہوں، نفلی عبادت کررہے ہوں اس وقت سنت یہ ہے کہ بچوں کو قریب کریں۔ وہ آپ سے قریب ہوں گے، آپ کو دیکھیں گے تو آگے چل کر ایسے بنیں گے اِن شاء اللہ۔ آج اس چیز کی بہت کمی ہے، اس پر بہت محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

پیغمبر علیہ السلام کی گھر والوں سے محبت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْدُ:

فقال النبي ﷺ:

واستوصُوا بالنِّساء خيرًا فإنّهن خُلقْن من ضَلع ، وإن أعوجَ شيءٍ في الضّلع أعلاهُ. أو كما قال علیہ السلام. (صحيح البخاري: رقم 4890)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

نبی کریم ﷺ کی گھر والوں کے ساتھ بھلائی:

خطبے میں حدیث شریف پڑھی گئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی

کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورتوں سے خیر خواہی اور بھلائی کیا کرو، اس لیے کہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اوپر والے حصے میں پایا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری: رقم 4890)

دوسری جگہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي. (سنن الترمذي: رقم 3895)

ترجمہ: ''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو، اور میں تم میں سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں''۔

ان احادیثِ شریفہ کی روشنی میں دیکھیے کہ نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں گھر والوں کے ساتھ کس طرح رہتے تھے۔

گھر میں مسکراتے ہوئے سلام کر کے داخل ہونا:

آپ ﷺ گھر میں مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ داخل ہوتے۔ اور اپنے گھر والوں کو سلام کرتے۔ اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

يَا بُنَيَّ ، إِذَا دَخَلْتَ عَلَى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ ، يَكُنْ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ.

(سنن الترمذي: رقم 2698)

''میرے بیٹے! جب تم گھر میں داخل ہونے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو، سلام کرنا تمہارے اپنے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے برکت کا باعث ہوگا''۔

گھر والوں سے محبت کے واقعات:

اماں جان اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ عید والے دن میرے پاس تشریف لائے (آگے لمبی حدیث ہے۔ اس کے آخر میں ہے)

اس دن خوشی کی وجہ سے حبشی لوگ نیزے اور ڈھال سے کھیل رہے تھے۔ اماں جان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خود عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود مجھ سے پوچھا:

تَشْتَهِينَ تَنْظُرِينَ.

(ان کا کھیل) دیکھنا چاہوگی؟ فرماتی ہیں کہ میں نے کہہ دیا: جی ہاں! تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر دیا اس طرح سے کہ میرا چہرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارکہ کے ساتھ تھا۔ (اس طرح سے میں پیچھے پردے سے کھیل کو بخوبی دیکھ سکتی تھی) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کہہ رہے تھے:

دونكم بني أرفدة.

خوب بنی ارفدہ۔ یہاں تک کہ میں تھک گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ بس کریں؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا جاؤ۔ (صحیح بخاری: رقم 907)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر والوں کا اتنا خیال رکھتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس برتن میں پانی پی رہی ہوتیں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ برتن ان سے لے لیتے اور اسی جگہ سے پانی پیتے جہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پیا۔ (زاد المعاد: ص 146)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاوند ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیوی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ سے محبت کا اظہار فرماتے تھے۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی تھی۔ میری بہت سی سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لاتے تو وہ چھپ جاتیں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں میرے پاس بھیجتے اور وہ میرے ساتھ کھیلتیں۔ (صحيح البخاري: باب الانبساط إلى الناس)

سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک یا غزوۂ خیبر (راوی کو شک ہے) سے تشریف لائے۔ گھر کے طاق پر پردہ ڈالا ہوا تھا۔ اچانک ہوا چلی تو پردہ ہٹ گیا اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گڑیاں دکھائی دینے لگیں۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا:

ما هذا يا عائشة ؟

ترجمہ: ''اے عائشہ! یہ کیا ہے؟''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ میری گڑیاں ہیں۔ آپ ﷺ نے ان گڑیوں کے درمیان میں ایک گھوڑا دیکھا جس کے کپڑے کے دو پَر بھی لگے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

مَا هَذَا الذِي أَرَى وَسطَهن ؟

ترجمہ: ''ان گڑیوں کے درمیان میں کیا دیکھ رہا ہوں؟''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

فَرَسٌ (یہ گھوڑا ہے)

آپ ﷺ نے پوچھا: اور یہ کیا ہے جو اس پر ہے؟ عرض کیا: دو پَر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فَرَسٌ لَه جَناحانِ ؟

ترجمہ: ''گھوڑے کے دو پَر بھی ہوتے ہیں؟''

اماں جان رضی اللہ عنہا نے بڑی سادگی سے فرمایا:

أَمَا سَمِعتَ أَنَّ لِسُلَيمَانَ خَيلًا لَهَا أَجنِحَةٌ ؟ (سنن أبي داود: رقم 4932)

ترجمہ: ''کیا آپ نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے پَر تھے''۔

پس آپ ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی داڑھیں دیکھ لیں۔

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ حالتِ سفر میں تھے۔ امی عائشہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ذرا آگے بھیج دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ آؤ عائشہ! دوڑ لگائیں۔ دوڑ ہوئی اور امی عائشہ رضی اللہ عنہا اس دوڑ میں آگے بڑھ گئیں۔ دوسری مرتبہ پھر آپس میں دوڑ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ گئے۔ اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اس پچھلی دوڑ کا بدلہ ہے۔ (سنن ابی داؤد: باب فی السبق علی الرجل)

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے اس واقعے سے مردوں کو یہ سبق دینا تھا کہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ مرد ہی جیتے، بلکہ کبھی عورتوں کو بھی جیتنے دینا چاہیے کہ ان کا دل خوش ہو۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ عائشہ! مجھے پتا چل جاتا ہے کہ تم مجھ سے خوش ہو یا ناراض ہو۔ امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کو کیسے پتا چل جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم خوش ہوتی ہو تو ربِ محمد کی قسم کھاتی ہو، اور جب تم ناراض ہوتی ہو تو ربِ ابراہیم کی قسم کھاتی ہو۔ امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے اللہ کے نبی! جب میں ناراض ہوتی ہوں تو صرف آپ ﷺ کا نام لینا چھوڑتی ہوں آپ ﷺ کو تو نہیں چھوڑتی۔ (صحیح مسلم: رقم 2439)

یہ ان کا بہت خوبصورت جواب تھا۔ الغرض محبتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ اپنے گھر والوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اللہ ہمیں بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

اللہ بہت بڑا ہے

حصہ اول

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَلَہُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ (الروم:27)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

تخلیق کا شاہکار انسان:

انسان اللہ ربّ العزّت کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ انسان اپنے اوپر جتنا غور کرتا چلا جائے گا، اتنا ہی اللہ ربّ العزّت کی عظمت اس پر کھلتی چلی جائے گی۔ اللہ ربّ العزّت

نے انسان کو بے شمار نعمتیں دیں۔ بعض نعمتیں تو ایسی ہیں جو اللہ ربّ العزّت نے انسان کو بھی دیں اور دوسری مخلوقات کو بھی دیں۔

انسان اور دیگر حیوانات کی بینائی میں فرق:

مثال کے طور پر اللہ ربّ العزّت نے ہمیں آنکھوں کی نعمت سے نوازا، ہم آنکھوں سے دنیا کو دیکھتے ہیں، لوگوں کو بھی دیکھتے ہیں۔ دوسری مخلوقات کو بھی آنکھوں سے نوازا۔ جیسے سانپ کو اللہ ربّ العزّت نے آنکھوں سے نوازا ہے، لیکن سانپ اس طرح کلیئر نہیں دیکھ سکتا جس طرح ہم ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ سانپ جب دیکھتا ہے تو اس کو بس اتنا محسوس ہوتا ہے کہ سامنے کوئی جاندار ہے۔ اسی طرح ہاتھی، شیر اور دیگر جانور بھی دیکھ سکتے ہیں، لیکن یہ چہرے کی لطافت اور باریکیوں کو نہیں دیکھ سکتے، ان کو صرف ایک خاکہ سا نظر آتا ہے کہ یہ انسان ہے، یہ جانور ہے۔ لیکن انسان کو اللہ ربّ العزّت نے جو آنکھیں دی ہیں یہ کلر میچنگ بھی کر سکتا ہے۔ یہ رنگ کے اندر فرق بھی کر سکتا ہے۔ اور یہ چہرے کی لطافت، باریکیوں اور چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ بھی سکتا ہے اور محسوس بھی کر سکتا ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے انسان کو بینائی میں کمال عطا کیا ہے۔

انسان اور دیگر حیوانات کے ہاتھوں میں فرق:

اس طرح اللہ ربّ العزّت نے انسان کو دو ہاتھ دیے۔ جبکہ اکثر مخلوقات کو ہاتھ نہیں دیے۔ لیکن بندر وغیرہ کو اللہ ربّ العزّت نے ہاتھ تو عطا کیا، لیکن انگوٹھا نہیں دیا۔ انگوٹھا نہ ہونے کی وجہ سے وہ اُن چیزوں کو نہیں پکڑ سکتے جن کو انسان بآسانی پکڑ سکتا ہے۔ جی ہاں! اللہ ربّ العزّت نے انسان کو ہاتھ کی نعمت بھی دی، اور اس کے ساتھ گرفت کی قوت بھی۔ اللہ اکبر کبیراً!

انسان اور دیگر حیوانات کی گویائی میں فرق:

قوتِ گویائی یعنی بولنے کی طاقت۔ یہ قوت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے جو اللہ پاک نے انسان کو بھی دی اور جانوروں کو بھی دی۔لیکن جانوروں کی زبان میں فصاحت وبلاغت نہیں ہوتی۔ وہ اشاروں میں بات کرتے ہیں، یا اپنے کسی خاص انداز میں بات کر لیتے ہیں۔ اُن کے پاس انسانوں کی طرح کی فصاحت نہیں۔انسان جب بات کرتا ہے تو جس سے محبت ہو اس سے اظہارِ محبت کے لیے، کبھی اپنے احساسات کے جذبات کو کھولنے کے لیے، کبھی وضاحت کرنے کے لیے اپنے کلام میں مختلف کلمات اور تعبیرات لے آتا ہے۔ بھلا کسی اور حیوان کے پاس بھی ذخیرہ الفاظ، مثالیں، محاورات، اشعار ہوتے ہیں؟ جواب میں نفی میں ملے گا۔ سوچیے کہ اس رب تعالیٰ نے انسان کو قوتِ گویائی کی کتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے۔

انسانی عقل:

اللہ ربّ العزّت نے اور بھی بے شمار نعمتیں انسان کو عطا فرمائی ہیں۔اُن نعمتوں میں سے ایک عقل ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے انسان کو عقل عطا فرمائی اور جانوروں کو بھی عقل عطا فرمائی، لیکن ان کے پاس اس طرح کامل عقل نہیں ہے، فقط نفع نقصان معمولی درجے کا وہ اپنی زندگی کی حد تک سمجھ سکتے ہیں۔لیکن انسان کو جو اللہ پاک نے عقل عطا فرمائی اس کے اندر بہت گہرائی ہے۔اس گہرائی کی وجہ سے چھوٹی سے چھوٹی بات کو، جذبات کو انسان سمجھتا ہے۔

سمندری لہریں:

اب جو یہ ساری نعمتیں انسان کو ملیں تو یہ سمجھنے لگا کہ مجھے جو چیزیں ملی ہیں، اس وجہ

سے میں کائنات کی سب سے بڑی چیز ہوں۔یعنی انسان کے اندر بڑائی کا ایک احساس پیدا ہو گیا۔لیکن پھر کبھی ایسے لمحات بھی آتے ہیں کہ انسان یہ سوچتا ہے کہ نہیں مجھ سے بڑا بھی کوئی ہے۔ اگر انسان کبھی سمندر کے سامنے کھڑا ہو اور پندرہ پندرہ فٹ کی اونچی لہریں (ہائی ٹائیڈز) آرہی ہوں تو غوروفکر کرنے والا یہ سوچے گا کہ ضرور اتنا اونچا پانی اُچھالنے کے لیے قوّت کی ضرورت ہے۔ اتنے پاور ہاؤس ہونے چاہیے۔ اربوں کھربوں ٹن پیچھے قوت ہونی چاہیے جو لہروں کو اچھال سکے۔انسان جب اس کو دیکھتا ہے تو غوروفکر کرتا ہے، محسوس کرتا ہے۔ پھر وہ یہ سوچتا ہے کہ کوئی ہے جو اتنی بڑی طاقت کا مالک ہے۔وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

زمین کا رقبہ اور اس کا چکّر:

اگر انسان کسی ہمالیہ کے نیچے کھڑا ہو تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ واقعی ہمالیہ ایک بڑی چیز ہے، پھر کیا اس سے بھی کوئی بڑی چیز ہے؟ جواب ملتا ہے کہ ہاں! اس سے بڑی چیز اللہ ربّ العزّت کی بنائی ہوئی زمین ہے جس کے اوپر ہم رہ رہے ہیں۔ یہ کتنی بڑی ہے؟ اس کا کُل رقبہ 342.5 فیصد ہے۔ ستر اعشاریہ آٹھ فیصد پانی اور اُنتیس اعشاریہ دو فیصد خشکی پر مشتمل ہے۔ پھر اس کے اندر بھی بڑی عجیب باتیں اللہ ربّ العزّت نے رکھی ہیں۔زمین اپنے محور پر چوبیس گھنٹے میں چکّر لگاتی ہے تو سورج کے گرد ایک سال میں۔ اسی طرح چاند زمین کے گرد اپنے مدار پر ایک مکمل چکّر 27.3 (ستائیس اعشاریہ تین) دن میں پورا کرتا ہے، جیسا کہ زمین سے مشاہدہ ہوتا ہے، جسے سائڈیریل sidereal مہینہ کہتے ہیں۔اور چاند زمین کی سورج کے گرد گردش کی وجہ سے خلاء میں اپنے مقام پر واپس 29.5 دن میں آتا ہے۔اب کیا کسی کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ زمین چکّر لگا رہی ہے یا

چاند چکّر لگا رہا ہے؟ گاڑی چل رہی ہے تو پتا لگتا ہے کہ چل رہی ہے۔ لیکن یہ نظام کائنات گردش میں ہے اور کسی کو محسوس بھی نہیں ہو رہا، اتنا پرفیکٹ کا نظام اللہ ربّ العزّت نے بنایا ہے۔

مثلاً آپ چند دوستوں کے ساتھ گاڑی میں موٹروے پر جا رہے ہیں۔ ایک سو بیس کی رفتار سے گاڑی چل رہی ہے۔ اچانک سے ایک ساتھی کہتا ہے کہ یار! تمہاری گاڑی کا بیلنس صحیح نہیں ہے، گاڑی وائبریٹ کر رہی ہے، جھٹکے لگ رہے ہیں، مزہ نہیں آ رہا۔ آپ اس کی بات سن کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ جب اپنی جگہ پر پہنچتے ہیں تو مکینک کے پاس جاتے ہیں، اس کا وِیل نکالتے ہیں، مکینک اس کو مشین پر چیک کر کے کہتا ہے کہ آپ کی گاڑی کے اندر چند گرام کا فرق ہے جس کی وجہ سے یہ گاڑی وائبریٹ کر رہی تھی۔ ان چند گراموں کے فرق نے پوری گاڑی کو ہلا دیا۔ اب غور کریں کہ زمین کا بیلنس کتنا شاندار ہے کہ جب سے ہم لوگ پیدا ہوئے ہیں ہمیں کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی کہ یہ زمین گھوم رہی ہے اور اس کی وجہ سے ہم آگے پیچھے گر رہے ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

اسی طرح اس دنیا کے اندر دیکھیں تو ہزاروں نہیں، لاکھوں نہیں، کروڑوں نہیں، بلکہ غالباً اس سے بھی کئی زیادہ تعداد میں ٹرک مال لے کر اِدھر اُدھر جا رہے ہیں اور بھی کئی وزنی چیزیں اُٹھائے ہوتے ہیں جو اِدھر سے اُدھر ٹرانسفر کر رہے ہوتے ہیں، لیکن اُن کے اس موومنٹ کی وجہ سے زمین کے بیلنس پر کوئی فرق نہیں آ رہا۔ تو یہ کس نے بنایا؟ یہ اللہ ربّ العزّت نے بنایا۔

انسان کی روزی:

پھر اللہ تعالیٰ نے اس زمین کے اندر ہماری روزی رکھ دی۔ اب غور کریں کہ جسم کو

اللہ پاک نے مٹی سے بنایا اور جسم کی تمام ضروریات اللہ تعالیٰ نے مٹی کے اندر رکھ دیں۔ قرآن مجید میں اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں:

وَبٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَاتَهَا فِيٓ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ (حم السجدۃ:10)

چار دن کے اندر ہم نے اس میں برکتوں کو رکھا۔ کیا برکتیں ہیں؟ کوئی انتہا ہے اس کی برکتوں کی؟ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک انسان اس کو استعمال کرتا چلا آ رہا ہے۔ ذرا غور کریں کہ جسم کی جو بھی ضرورت ہے وہ زمین سے پوری ہو رہی ہے۔ پانی زمین سے، گندم زمین سے، لباس اور کاٹن بھی زمین سے، مکان بنا تو پتھر بھی زمین سے، لکڑی زمین سے، شیشے کا مٹیریل زمین سے، لوہا زمین سے، کھانے پینے کی چیزیں زمین سے، میوہ جات زمین سے، سبزیاں زمین سے، گنا زمین سے۔ غرض یہ کہ ہر وہ چیز جو انسان کی ضرورت کی ہے وہ زمین میں رکھ دی۔

اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ جب زمین سے اتنا کچھ لیا جا رہا ہے تو خزانے ختم ہو جانے چاہیے، لیکن حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک فصلیں ہیں، کھیت ہیں، پودے ہیں، اور یہ سب زمین سے نمکیات لے رہے ہیں اور یہ نمکیات ختم نہیں ہو رہیں۔ اللہ ربّ العزّت نے کتنی برکتیں رکھی ہیں۔ پھر یہ نمکیات کتنے بیلنس سے آ رہی ہیں کہ اگر یہ نمکیات کسی بھی چیز میں زیادہ ہو جائیں تو وہ کھائی نہ جائے، اور اگر یہ نمکیات بالکل بھی نہ ہوں تو بھی نقصان کا باعث ہو جائیں۔ بے شک ہر چیز اپنی ضرورت کے مطابق چلی آ رہی ہے۔ اور یہ جو نمکیات ہیں ان میں بھی کیمیکل رکھے نہ تو اتنا زیادہ رکھے کہ فصل ہی نہ اُگ سکے۔ بعض زمینیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اس کے اندر فصل نہیں اُگ سکتی، ایگریکلچر والے لوگ یہ جانتے ہیں۔

اوراب زمین سے ماربل بھی نکل رہا ہے۔ ہزاروں لاکھوں نہیں، کروڑوں انسان ماربل انڈسٹری سے وابستہ ہیں۔ پہاڑ کاٹتے ہی چلے جارہے ہیں اور ماربل نکل رہا ہے۔ جگہ جگہ لگا ہوا ہوتا ہے۔ جتنی ہمارے یہاں پنجاب کی آبادی ہے، اتنی آبادی انڈیا میں صرف ماربل کا کام کرتی ہے۔ کچھ لوگوں کی روٹی اللہ ربّ العزّت نے ماربل کے ساتھ جوڑ دی ہے۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا رزق اللہ تعالیٰ نے پیٹرول کے ساتھ جوڑا ہے جو نکلتا چلا جارہا ہے۔ کچھ ہیرے نکالتے ہیں اور وہ نکلتا ہی چلے جارہا ہے۔ اور کوئی اس سے کیا حاصل کر رہا ہے، اور کوئی کیا حاصل کر رہا ہے۔ ہر ایک کی روزی اللہ تعالیٰ نے اس زمین سے وابستہ کی ہوئی ہے۔ کسی کی بالواسطہ اور کسی کی بلاواسطہ۔ اللہ اکبر!

زمین سے بڑے سیارات:

زمین کے اندر اللہ پاک نے اتنی برکتیں رکھی ہیں کہ سات ارب انسان کھاتے چلے جارہے ہیں، ان برکتوں کو مختلف انداز میں صبح دوپہر شام استعمال کررہے ہیں اور یہ ختم نہیں ہورہیں بلکہ بڑھتی ہی چلی جارہی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی ضروریات کے لیے کافی ہیں۔ جب انسان زمین کی ان کیفیات کو دیکھتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ شاید زمین ہی سب سے بڑی ہے۔ اونچائی میں پہاڑ انسان سے بڑا ہے، اور زمین پہاڑ سے بھی بڑی ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا زمین سے بھی بڑی کوئی چیز ہے؟ آج کی دنیا سائنس اور ٹیکنالوجی پر بہت اعتبار کرتی ہے۔ سائنسدان ہمیں بتاتے ہیں کہ بہت بڑے بڑے سیارے ایسے ہیں جو زمین سے کئی گنا بڑے ہیں۔ ہماری زمین کا ڈایامیٹر غالباً چوبیس ہزار میل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے سیارات بنائے ہیں کہ اُن میں سے اگر ایک میں ہماری زمین جیسی ایک ہزار زمینیں رکھ دی جائیں تو اس سیارے

کے ایک کونے میں آ جائیں۔ معلوم ہوا کہ زمین سے بڑی بھی کوئی چیز ہے۔ پھر خیال آتا ہے کہ اس ربِّ ذوالجلال کی اور کیا نعمتیں ہمیں میسّر ہیں؟

نظامِ شمسی کا سرتاج سورج:

یہ سورج جو دن میں ہمیں نظر آتا ہے یہ ہمارے نظامِ شمسی کا سرتاج ہے۔ سورج سے ہم حرارت لیتے ہیں، توانائی لیتے ہیں، ریڈیشن لیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ شاید سورج زیادہ قیمتی ہے۔ اب سورج سے ہمیں کیا نعمتیں ملتی ہیں؟ سب سے پہلے تو روشنی۔ اگر سورج نہ ہوتو زمین پر روشنی بھی نہ ہو، اور اگر روشنی نہ ہوتو نہ ہی درخت اُگیں گے اور نہ ہی کھیت اُگیں گے، کیوں کہ جس جگہ سورج کی روشنی نہیں پڑتی وہاں درخت پھل نہیں دیتے۔ معلوم ہوا کہ یہ روشنی ہماری ضرورت ہے۔

سورج کی روشنی:

ایک عجیب سوال یہ ہے کہ یہ روشنی ہمیں کیوں نظر آتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ روشنی ہمیں اس لیے نظر آتی ہے کہ ہماری زمین کے گرد ایک ہوا ہے، اور اس ہوا کے اندر مٹی کے بے حساب ذرّات ہیں۔ جب سورج کی روشنی آتی ہے اور ہماری ہوا کے زوم میں داخل ہوتی ہے اور مٹی کے ذرّات اس میں ریفلیکٹ ہوتے ہیں تو ہمیں یہ روشنی نظر آتی ہے۔ بالفرض ہم سورج کی رو میں جانا شروع کر دیں اور زمین کا جو ہوا کا ایریا ہے اس کو بھی کراس کر کے آگے چلے جائیں، خلا میں پہنچ جائیں تو سورج کی روشنی آ رہی ہے لیکن اس روشنی کے باوجود وہاں گھپ اندھیرا ہے، کیوں کہ وہاں مٹی کے یہ ذرّات نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورج کے ذریعہ سے زمین والوں کو بہت بڑی نعمت دی جو روشنی دیتا ہے، اور حرارت پہنچاتا ہے۔

سورج کی حرارت:

اور یہ حرارت بھی بہت زیادہ ضروری ہے۔ اگر یہ حرارت نہ ہوتو کام نہ ہوں۔ اور حرارت کے اندر اعتدال بھی بہت ضروری ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے سورج کو جتنے فاصلے پر رکھا، اگر اس سے آدھے فاصلے پر رکھا ہوتا تو سب جل کر مر جاتے، اور اگر فاصلہ اس سے ڈبل ہو جاتا تو قلفی جم جاتی اور سب مر جاتے کوئی بھی نہ بچتا۔ ہاں! اللہ ربّ العزّت نے فاصلہ بھی ایسا رکھا، ٹیمپریچر کو بھی ایسا رکھا اور اس انداز میں رکھا کہ کئی ملکوں میں عام طور پر ٹیمپریچر سردیوں میں زیرو ہو جاتا ہے، اور گرمیوں میں پچاس ڈگری سینٹی گریڈ تک ہو جاتا ہے۔ اتنی سردی اور اتنی گرمی دونوں ہی ایسے ہیں جو آدمی کے لیے قابل برداشت ہیں، اور صرف انسان کے لیے نہیں، بلکہ جانوروں کے لیے بھی، اور ساتھ ہی ساتھ درختوں کے لیے بھی۔ اور اگر یہی ٹیمپریچر گرمیوں میں 100 ہو جائے تو درخت ختم اور انسان بھی نہ بچیں، اور یہی مائنس بیس تیس چلا جائے تو درختوں میں سے کچھ نکلے ہی نہ تو وہ بھی معاملہ ختم۔ اللہ ربّ العزّت نے اتنا بیلنس اس کو دیا کہ ہر چیز کے لیے مناسب ہو۔ اور آپ جانتے ہیں کہ کچھ جگہ گرمی بہت ضروری ہے۔ کچھ پھل اللہ ربّ العزّت نے ایسے بھی پیدا کیے ہیں جو سخت گرمیوں میں ہی پکتے ہیں۔ اور اسی طرح اللہ ربّ العزّت سردیوں کے لیے میوے جات رکھے۔ سردیوں میں میوے کھاتے چلے جائیں۔ اس وقت اس کا مزا آتا ہے۔

ایک سفر:

حضرت جی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ کسی سرد ملک میں تھے۔ اس ملک میں اتنی سردی تھی کہ خود کو گرم رکھنے کے لیے پتا نہیں کیا کیا پاپڑ بیلنے

پڑتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کے ساتھیوں کی تشکیل اس ملک میں تھی۔ ساتھی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ گاڑی راستے میں کسی جگہ خراب ہوگئی کوئی بھی مدد کے لیے نہ آسکا۔ ان ساتھیوں نے سویٹر، جیکٹ، ساکس، جوتے سب پہنے ہوئے تھے۔ ان تمام انتظامات کے باوجود ادھر مدد پہنچ نہ سکی تو گاڑی میں بیٹھے بیٹھے فریز ہو گئے اور شہید ہو گئے۔ اللہ اکبر! وہاں اپنے آپ کو گرم رکھنے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا تھا۔ پس اگر ٹیمپریچر اتنا ڈاؤن ہو جائے تو بھی انسان کے لیے مشکل۔ اللہ ربّ العزّت نے اس میں بھی بیلنس عطا فرمایا ہے۔

دھوپ:

تیسری چیز جو سورج سے حاصل ہوتی ہے وہ یہ کہ سورج ہمیں دھوپ دیتا ہے۔ اور یہ بھی ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔ مثال کے طور پر جو لوگ دھوپ میں بالکل بھی نہیں نکلتے تو ڈاکٹرز انہیں بتاتے ہیں کہ دیکھو! تمہارے اندر وٹامن ڈی ختم ہو گیا ہے، اب وٹامن ڈی کھاؤ۔ وہ گولیاں دیتے ہیں، دوائیاں دیتے ہیں۔ سورج جو دھوپ دیتا ہے اس سے ہمیں وٹامن ڈی ملتے ہیں، ہماری جلد کو خوراک ملتی ہے۔ اللہ پاک نے سورج کو بالکل ہمارے مطابق بنایا ہے۔

گرم گیسوں کا فٹ بال:

یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ یہ سورج ہمیں روشنی کیسے دیتا ہے؟ اور کیا یوں ہی ہمیشہ دیتا رہے گا؟ سائنس دان کہتے ہیں کہ سورج گرم گیسوں کا ایک فٹ بال ہے جس میں بلحاظِ کمیت 71٪ ہائیڈروجن، 28٪ ہیلیم، 1.5٪ کاربن، نائیٹروجن اور آکسیجن ہے جبکہ 0.5٪ دوسرے عناصر پائے جاتے ہیں۔ سورج کی عمر کا اندازہ ساڑھے چار

اَرب سال لگایا گیا ہے۔یعنی اتنے سالوں سے سورج مسلسل اتنی بڑی مقدار میں توانائی خارج کر چکا ہے۔اوراس میں موجود ہائیڈروجن کی مقدار سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ مزید ساڑھے پانچ اَرب سال تک اسی مقدار میں توانائی خارج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔یہ اللہ ربّ العزّت کا نظام ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا (الفرقان:61)

ترجمہ:''اور ہم نے سورج کو چمکدار اور چراغ کی مانند بنایا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا چراغ چل رہا ہے اور دنیا کو روشن کر رہا ہے۔اور پھر ایک دن اس ہائیڈروجن کی مقدار آخر ختم ہو جائے گی اور پھر توانائی کے پیدا ہونے کا عمل رُک جائے گا، پھر سورج آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہوتا جائے گا جس سے اس سے خارج ہونے والی روشنی بھی بتدریج کم ہوتی جائے گی، اور پھر ایک وقت ایسا آئے گا جب سورج بے نور ہو جائے گا۔اسی کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں:

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ (التکویر:1)

ترجمہ:''جب سورج بے نور ہو جائے گا''۔

انسانی تفکر:

انسان سوچتا ہے کہ اس کے پاس اعضاو جوارح ہیں جس سے وہ اپنے کام کرتا ہے۔ اوراس طاقت پر اسے اس قدر ناز ہوتا ہے کہ شاید وہی بہت کچھ ہے۔پھر جب وہ سمندر دیکھتا ہے تو اسے پتا لگتا ہے کہ نہیں مجھ سے بھی کچھ بڑا ہے، یہ زمین کتنی بڑی ہے۔یہ آسمان کتنا بڑا ہے۔اللہ کی مخلوقات زمین میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جسامت میں ایک سے بڑھ کر ایک۔خوبصورتی میں ایک سے بڑھ کر ایک۔جب یہ چیزیں کھلتی ہیں تو اس کو پتا

چلتا ہے کہ مجھ سے بڑا کوئی موجود ہے۔

اللہ اکبر کا مطلب:

ہم کہتے ہیں ''اللہ اکبر''۔اس کا مطلب کیا ہے؟ اللہ اکبر یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ کتابوں میں یہی ترجمہ موجود ہے کہ اللہ بہت بڑا ہے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے ہیں۔ کائنات کی تمام چیزیں اگر کسی کو مل جائیں تب بھی اس کی کوئی حد ہوگی۔ مثلاً آسمانِ دنیا کی ایک حد ہے، اس کے اوپر دوسرا آسمان ہے اس کی بھی ایک حد ہے، اسی طرح ہر آسمان کی ایک حد ہے۔ زمین کی ایک حد ہے، اس کے نیچے دوسری زمین کی بھی ایک حد ہے، اسی طرح ساتوں زمینوں میں سے ہر ایک کی حد مقرر ہے۔ جنت، عرش، کرسی ہر ایک کی کوئی نہ کوئی حد ہے۔ ایک اللہ ربّ العزّت ہی کی ذاتِ عالی ہے جو لامحدود ہے۔ دیکھیں! یہ کہنا کہ ''اللہ سب سے بڑا ہے'' یہ کہنا غلط نہیں ہے۔ واقعتاً اللہ سب سے بڑا ہے۔ ہماری سوچ، ہمارے الفاظ اس کی تعریف بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ اس کی بڑائی اور کبریائی بیان کرنے سے عاجز ہیں۔

انسان اپنی زبان میں بڑا کس کو کہتا ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ جی یہ بلڈنگ بہت بڑی ہے، کوئی کہتا ہے کہ فلاں کالونی بڑی ہے۔ ہر ایک کا اپنا معیار ہے، مگر یقین کریں کہ کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی بڑی نہیں ہے۔ ہم نے کراچی سے لاہور تک کا سفر کرنا ہو تو ہم کہتے ہیں کہ جی بڑا سفر کرلیا ہے، بڑا ہی دور ہے، جبکہ یہ مسافت تقریباً بارہ سو کلومیٹر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو دعوت دی ہے کہ اوپر نظر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھو:

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝٦ (ق:6)

ترجمہ: ''بھلا کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اُسے کیسے بنایا ہے؟

اور ہم نے اسے خوبصورتی بخشی ہے، اور اس میں کسی قسم کے رخنے نہیں ہیں"۔

آسمان کی وسعت میں ذرا غور تو کریں۔ مگر کیا ہے کہ ہماری نظریں محدود ہیں، کائنات کی وسعتوں کا ادراک نہیں کرسکتی۔ بس ہمیں اس کا اندازہ ہوجائے کہ جس نے اتنی بڑی کائنات کو بنایا ہے، وہ بنانے والا خود کتنا بڑا ہوگا۔ اللہ ربّ العزّت نے کائنات میں اپنی قدرت اور وجود کے شواہد بکھیرے ہیں تاکہ انسان اس کی عظمت کو پہچانے۔ یہ بڑے بڑے سمندر، اونچے اونچے پہاڑ، اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

چاند:

زمین سے قریب ترین سیارے ہی کو لے لیجیے۔ وہ سیارہ چاند ہے۔ اس کا زمین سے فاصلہ تین لاکھ چوراسی ہزار چار سو کلومیٹر ہے۔ چاند زمین کے اردگرد 27.3 دن میں چکر لگاتا ہے۔ اس کے راستے کو "چاند کا مدار" کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد آگے چلیں تو خلا میں ہماری گلیکسی یا کہکشاں سے قریب ترین سیارہ مرّیخ ہے۔

مرّیخ:

اس کو زمین کی بہن بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ یہ زمین کے بہت قریب ہے۔ خلائی سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ 31 جولائی 2018 کو زمین سے مریخ کا فاصلہ تین کروڑ اٹھاون لاکھ میل تھا۔ مریخ کا زمین سے فاصلہ اس وقت کم ترین ہوتا ہے جب مریخ، زمین اور سورج گردش کرتے ہوئے ایک قطار میں آجاتے ہیں۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ ایسا ہر 27 ماہ کے بعد ہوتا ہے جب زمین اور مریخ سورج کے گرد گردش کرتے ہوئے ایک قطار میں آجاتے ہیں۔ لیکن ضروری نہیں ہے کہ دونوں کے درمیان ہر بار فاصلہ بھی کم سے کم ہو۔ فاصلے کا تعلق ان کے مدار سے ہوتا ہے۔

مشتری:

اور تھوڑا سا آگے چلیں تو اپنے ہی سولر سسٹم میں ایک سیارہ مشتری ہے۔ یہ نظامِ شمسی کا سب سے بڑا سیارہ ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں تیرہ سو زمینیں سما سکتی ہیں۔ یہ زمین سے 318 گنا بھاری ہے، اور سورج سے 5.2 فلکیاتی اکائی (AU) کے فاصلے پر ہے۔ اب ذرا بتائیں کہ زمین کے فاصلے کہاں گئے؟ لاہور سے کراچی تک کا فاصلہ، پاکستان سے امریکہ یا افریقہ تک کا فاصلہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔

سورج:

زمین کا بادشاہ سورج زمین سے ایک 109 گنا بڑا ہے۔ یعنی جس طرح ہماری زمین ہے اس طرح کی اگر 109 زمینیں ہوں تو اکیلا سورج بنے گا۔ ہمارے نظامِ شمسی میں یہ روشنی اور توانائی کا مرکز ہے۔ سورج کا زمین سے اوسط فاصلہ تقریباً 14،95،98،000 کلومیٹر ہے۔ اگر زمین سے سورج کو دیکھتے ہیں تو وہ دو فٹ پر نظر آجاتا ہے۔ مغرب سے دنیا کو دیکھنے لگیں گے تو زمین نظر نہیں آئے گی، وہاں سے تو ذرا سا نقطہ نظر آئے گا۔

نوری سال:

ہم نے اپنے سفر کو اور بھی جاری رکھنا ہے تو اب ہمیں کلومیٹر کا لفظ ہے چھوڑنا پڑے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ چیزوں کے مختلف پیمانے ہیں۔ کپڑا ناپنا ہو تو گز یا میٹر لیتے ہیں۔ اگر کوئی ایریا ناپنا ہو تو گز یا فٹ یا مرلہ یا کنال یا مربع ہوتا ہے۔ جب سفر آتا ہے تو کلومیٹر کی بات آتی ہے۔ اور جب کائنات کی بات آتی ہے تو کلومیٹر کا معاملہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اب کلومیٹر سے کائنات کو کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ وہاں کے میٹرنگ فارمولے کو نوری سال کہتے ہیں۔

نوری سال کیا ہوتا ہے؟ مثلاً روشنی کی رفتار سب سے زیادہ ہے۔ تیز رفتار گھوڑا بھی ہوتا ہے، عقاب اور چیتا بھی ہوتا ہے، ہوا کی رفتار بھی تیز ہے۔ ان تمام چیزوں میں ہم نے دیکھا کہ روشنی کی رفتار سب سے زیادہ تیز ہے۔ اور یہ کتنی ہے؟ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ یعنی ایک سیکنڈ میں زمین کے تقریباً سات چکر لگا لے گی۔ چوبیس ہزار میل کی زمین ہے اور روشنی کی اسپیڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار فی میل، تو ایک سیکنڈ تو بولنے میں ہو گیا اور یہ جملہ بولنے سے پہلے ہی وہ کئی چکر لگا چکی ہے۔ اللہ اکبر! اتنی اسپیڈ ہے روشنی کی۔ اور اگر کلومیٹر سے حساب لگائیں تو تقریباً تین لاکھ کلومیٹر پر سیکنڈ بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اس کائنات کو مکمل طور پر تو ہم سمجھ نہیں سکتے، لیکن اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے روشنی ایک سیکنڈ کے اندر تین لاکھ کلومیٹر کا سفر طے کرتی ہے۔ اب اگر یہ روشنی ایک سال چلتی رہے تو ایک سال بعد جہاں یہ پہنچے گی اس کو ایک نوری سال (لائٹ ائیر) کہتے ہیں۔ ایک منٹ میں 60 سیکنڈ ہوتے ہیں، اور ایک گھنٹے میں 60 منٹ، ایک دن میں چوبیس گھنٹے، اور ایک سال میں ہوئے تین سو پینسٹھ دن بنتے ہیں۔ اب کوئی کیلکولیٹ کرتا چلا جائے تو ایک نوری سال کتنے کلومیٹر بنے گا؟ نو ہزار چار سو ساٹھ کلومیٹر۔ سبحان اللہ! یہ ایک نوری سال بنتا ہے۔ اور سورج کی روشنی آٹھ منٹ، اُنیس سیکنڈ میں زمین پر پہنچتی ہے تو اندازہ کر لیجیے کہ سورج ہم سے کتنا دور ہے اور اس کی روشنی کتنا ٹریول کر کے ہمارے پاس آتی ہے۔ یہ اللہ کی شان ہے۔ اگر اللہ ربّ العزّت اس کو قریب کر دیں تو ہم جل کر مر جائیں، اور دور کر دیں تو بھی مر جائیں۔ یہ محض اس کی رحمت اور شان ہے۔

یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ سورج بہت بڑے بڑے ستاروں کے گروہ کا حصہ ہے جسے ہم ملکی وے کہتے ہیں۔ بڑا ہونے کے باوجود بھی اس ملکی وے کا درمیانی حصہ

کہلاتا ہے۔ یہ ہماری کائنات سے قریب ترین سیارہ ہے اور اس کی روشنی ہم تک پہنچنے میں چار نوری سال لگتے ہیں۔ اور اللہ کی قدرت دیکھیے کہ یہ روشنی صرف آٹھ منٹ اور اُنیس سیکنڈ میں ہم تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح اس کائنات میں کئی ایسے سیارے ہیں جو خاص آلات کی مدد سے دکھائی دیتے ہیں۔ اور ان کی روشنی کو ہم تک پہنچنے کے لیے کافی وقت لگتا ہے۔ اس میں سے ایک وہ سیارہ بھی ہے سائنسدانوں کے مطابق اس کی روشنی چودہ ارب سال پہلے وہاں سے نکلی تھی، وہ اب یہاں پہنچ رہی ہے۔

کہکشائیں:

کائنات کی وسعت کا اندازہ ہم اس بات سے بھی کر سکتے ہیں کہ محدود مشاہدات کے بعد انسانی عقل بھی بے بس ہو جاتی ہے کہ اس سے آگے کیا ہے سمجھ نہیں آرہا۔ یہ ایک کہکشاں ہے جس میں ہم لوگ رہ رہے ہیں۔ اور اس طرح کی بہت ساری بڑی بڑی کہکشائیں ہیں۔ ہماری کہکشاں میں دو ارب ستارے ہیں۔ ہم زمین سے دیکھتے ہیں تو ستارے ہمیں نظر آرہے ہوتے ہیں۔ یہاں سے دیکھنے میں لگتا ہے کہ چھوٹا ٹیل بنائیں تو وہاں پہنچ جائیں، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ وہ ستارے آپس میں بھی کافی دور ہیں۔

ہماری کہکشاں سے بڑی کئی کہکشائیں ہیں۔ ماہرین کے مطابق اگر روشنی کی رفتار سے حرکت کرنے والی خلائی گاڑی سے سفر کیا جائے تو کہکشاں کے ایک کنارے سے دوسرے تک جانے میں 2 لاکھ نوری سال لگیں گے۔ کہکشاں میں ستارے بھی ملین اور ٹریلین ہوتے ہیں۔ جب بے شمار کہکشائیں جمع ہو جائیں تو پھر اس کو کلسٹر کہا جاتا ہے۔ ایک کلسٹر کے اندر ہزاروں لاکھوں کہکشائیں ہیں، اور ہر کہکشاں میں اربوں کھربوں کی تعداد میں ستارے اور سیارے ہیں۔ اور جب ان کلسٹر کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو ان کو سپر کلسٹر کہا جاتا ہے۔ سائنسدان اسے ہائپرین کہتے ہیں۔ ایک بات یہ واضح رہے

کہ ابھی تک ہم آسمان سے نیچے نیچے چل رہے ہیں، آسمان پر نہیں پہنچے۔ سائنسدانوں کے مطابق تقریباً ایک کروڑ کے قریب کائنات میں سپر کلسٹر ہیں۔ سپر کلسٹر سے نیچے آئیں گے تو کلسٹر ، اس سے نیچے آئیں گے تو کہکشاں، اسی طرح یہ سلسلہ پھیلتا چلا جارہا ہے۔ یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جو ختم نہ ہونے والا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (الذاریات:47)

''اور آسمان کو ہم نے قوت سے بنایا ہے، اور ہم یقیناً وسعت پیدا کرنے والے ہیں''۔

بلیک ہول کیا ہے؟

اسی طرح کائنات کے اندر ایک چیز اور بھی ہے اس کو بلیک ہول کہا گیا ہے۔ یہ بلیک ہول کیا ہے؟ پوری کائنات کے اندر کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں صرف اندھیرا ہے، اس کے بارے میں انسان کو کوئی تفصیل معلوم نہیں۔ آج تک سائنسدانوں نے نہ اس کو دیکھا ہے، اور نہ کبھی دیکھ سکیں گے۔ اتنا معلوم ہے کہ جو بھی چیز اس کے سامنے آتی ہے وہ اس کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ سورج، ستارے بھی اگر سامنے آجائیں تو یہ ان کو کھا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ اندھیرا کیوں نظر آتا ہے؟ اصل میں بلیک ہول میں تھوڑی جگہ پر انتہائی زیادہ مادے کی وجہ سے اس کی کشش اتنی زیادہ ہوجاتی ہے کہ روشنی، جو اب تک کی تحقیقات کے اعتبار سے اس کائنات کی سب سے تیز ترین چیز ہے، بھی اس سے فرار نہیں ہوسکتی۔

چناں چہ بڑی ریسرچ کے بعد سائنسدانوں نے چند باتیں بلیک ہول کے بارے میں بتائی ہیں:

سائنسدان پہلے یہ کہتے تھے کہ ختم ہوجانا کچھ بھی نہیں ہے، مادہ نہ پیدا کیا جاسکتا ہے

اور نہ ختم کیا جا سکتا ہے، البتہ یہ اپنی صورت بدل لیتا ہے۔لیکن اب وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ بلیک ہول سے تو ہماری فزکس اور کیمسٹری کے سارے قوانین ختم ہو جاتے ہیں۔ انسان پریشان ہو جاتا ہے، عقل ماؤف ہو جاتی ہے، لیکن انسان چاہتا ہے کہ مجھے رہنمائی ملے۔ جب وہ پریشان ہوتا ہے اور رہنمائی ملنا بند ہو جاتی ہے تو معلوم یہ ہوتی ہے کہ انسانی علم کی حد و انتہا بس یہیں تک کی ہے۔ آگے اس کے پاس سوچ ہی کوئی نہیں تو وہاں تک پہنچنے کی بات تو بہت دور کی ہے۔

اب جو انسان اپنے آپ کو بڑا محسوس کرتا ہے وہ جان لے کہ کچھ اور بھی بڑا ہے۔ یہ پہاڑ، یہ زمین، یہ سیارات، یہ گلیکسی، یہ بلیک ہول وغیرہ۔ قرآن مجید صداقتوں کا مجموعہ ہے۔ سچائی سے بھری ہوئی کتاب ہے۔ اس میں اللہ پاک نے فرمایا:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿٤٧﴾ (الذاریات:47)

''اور آسمان کو ہم نے قوت سے بنایا ہے، اور ہم یقیناً وسعت پیدا کرنے والے ہیں''۔

اگر ہم اس آیت پر غور کریں کہ اتنی بڑی بات کوئی خود ہی اپنے منہ سے نہیں بول رہا، اپنی عقل سے نہیں بول رہا۔ یہ بات تو اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ہے۔ جو لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کائنات ایک ایکسیڈینٹ ہے جس سے یہ وجود میں آئی۔ اس کے بارے میں ایک سادہ سی مثال یوں سمجھیں کہ ایکسیڈنٹ ہمیشہ تباہی لاتا ہے جہاں بھی ہو، لیکن یہ کونسا ایکسیڈنٹ تھا جس نے پوری دنیا بنا دی۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ایک پاک ذات ہے جس نے اس دنیا کو بنایا۔

اللہ پاک ہم سب کو اپنی ذاتِ عالی کا یقین و استحضار عطا فرمائے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

اللہ بہت بڑا ہے

حصہ دوم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَا دِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

وَلَہُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (الروم:27)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دہریے کو جواب:

علمائے کرام اور دیگر لوگ منتظر ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائیں گے۔ پھر اس

دہریے سے مقابلہ ہوگا، بات چیت ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہے۔ اللہ کی شان کہ امام صاحب نہیں آئے۔ دہریہ خوش ہونے لگا اور اس نے مسلمانوں کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔ مسلمان بڑے پریشان ہوئے کہ یا اللہ! یہ کیا ہو گیا۔ جب کافی دیر گزر گئی تو آواز آئی کہ امام صاحب آ گئے ہیں۔ شور ہونے لگا کہ امام ابوحنیفہ آ گئے، امام ابو حنیفہ آ گئے۔ جب امام صاحب تشریف لائے تو ان سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی گئی۔ اس دہریے کے سامنے امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دیکھو! میں جب دریا کے کنارے پہنچا تو کشتی کوئی نہیں تھی۔ پریشان ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ایک درخت ہے وہ خود بہ خود کٹا، اس کے تختے بنے، پھر وہ تختے خود ہی پانی میں آ گئے، پھر کیلیں بھی خود بخود لگ گئیں، اور کشتی بن گئی، پھر وہ تیر کر میرے پاس آ بھی گئی، میں اس میں بیٹھ گیا، اور وہ مجھے دریا کے پار لے کے ادھر آ گئی۔ بس اس سارے معاملے کی وجہ سے مجھے دیر ہو گئی۔

وہ دہریہ کہنے لگا کہ مسلمانو! تم ان کو عقل مند کہتے ہو، اس سے بڑا تو پاگل کوئی نہیں۔ (نعوذ باللہ) ایسا بھی کبھی ہوا ہے کہ خود بخود ہی درخت کٹ گیا، اور تختے جڑ گئے، اور ان کو بٹھا کر چپو بھی چل گئے اور یہاں لے بھی آئی۔ جب اس نے اس بات کا کافی مذاق اڑایا تو امام صاحب رحمہ اللہ نے سادہ سی بات فرمائی کہ دیکھو! جب ایک چھوٹی سی کشتی خود نہیں بن سکتی تو اتنی بڑی کائنات بغیر کسی کے بنائے کیسے بن سکتی ہے؟ اس کائنات کا بنانے والا بھی کوئی ہے۔ (شرح الطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیۃ)

سات آسمان:

ابھی تک جتنا بیان ہوا وہ کائنات سے متعلق تھا۔ اس میں ایک اور بات بھی سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ذرا غور کریں کہ اس کائنات کا اربوں نوری سال کا ڈایا میٹر ہوگا۔ اور

یہ بڑھ رہی ہے، پھیل رہی ہے۔ اور ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچنے میں ہمارے ناقص خیال میں اربوں نوری سال کا عرصہ درکار ہوگا۔ یہ انسان اپنی زندگی میں یہ فاصلہ طے کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن یہ ساری کی ساری کائنات پہلے آسمان کے نیچے ہے۔

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (النبا:12)

اللہ تعالیٰ نے سات مضبوط آسمان بنائے ہیں۔ اور ان میں ستاروں کو سجا دیا ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ (الملک:5)

دیکھیں! ہم جہاں بیٹھے ہیں یہ ایک بڑا ہال ہے۔ اس میں قمقمے لگے ہوئے ہیں۔ بتائیے کہ یہ چھت بڑی ہے یا قمقمے بڑے ہیں؟ لازمی سے بات ہے کہ چھت بڑی ہے، اس کے سامنے قمقمے چھوٹے ہیں۔ اگلی بات کو سمجھنے کے لیے ایک سادہ سی مثال پیش کی۔ یہ جتنی بھی یونیورس کی ایکسپنشن ہے، اور جتنی اس کی یہ گلیکسیز، ستارے، یہ کلسٹرز، سپر کلسٹرز ہیں یہ سب کے سب پہلے آسمان کے نیچے ہیں۔ اندازہ کیجیے کہ پہلا آسمان کتنا بڑا ہوگا؟ اس کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ نہ سائنسدان لگا سکتے ہیں، نہ اس بارے میں ہم کوئی بات کرتے ہیں۔ اب پہلے آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ 500 سال کی مسافت ہے تو دوسرا آسمان پہلے سے بڑا ہے۔ وہ کتنا بڑا ہے اور درمیان میں کیا کچھ اللہ نے بنایا ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اور تیسرا آسمان دوسرے سے بڑا، چوتھا اس سے بڑا، ساتواں ان میں سب سے بڑا۔ ان کے رقبہ کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے۔ ہم تو اس کائنات کا اندازہ نہیں کر سکے۔

کائنات کا اختتام:

اور یہ کائنات وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے لپیٹ دینا ہے۔ ایک دن اسے ختم ہو جانا ہے:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (الأنبیاء:104)

ایک دن یہ ساری کائنات ختم ہو جائے گی۔

آسمان اور زمین کی ساخت:

اس کائنات کا ہلکا سا ایک اندازہ ہمیں ہوا۔ اس کے بعد پہلا آسمان، دوسرا اس سے بڑا، تیسرا اس سے بڑا، اسی طرح ساتویں آسمان تک یہ سلسلہ چلتا ہے۔ اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان 500 سالوں کا فاصلہ ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ الحدید میں روایت ذکر کی ہے۔ جس طرح یہ زمین مٹی کی اللہ تعالیٰ نے بنائی۔ سورج آگ کا گولا ہے۔ اسی طرح آسمان کی اپنی مختلف ساخت ہے۔ اور ہر آسمان کی ساخت الگ ہے، سب ایک جیسے نہیں ہیں۔ قرآن پاک کے مطابق سات آسمان ہیں، اور سات زمینیں۔ لیکن سات زمینوں کے لیے قرآن میں ارض کا مفرد صیغہ استعمال ہوا:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (الطلاق:12)

ترجمہ: ’’اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے، اور زمین بھی اُنہی کی طرح‘‘۔

نیچے ساتوں زمینوں تک کیا کچھ ہے؟ جس طرح ساتوں آسمانوں کی وسعت کا ہمیں اندازہ نہیں، اسی ساتوں زمینوں کی تہ اور گہرائی کا بھی ہمیں اندازہ نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ

(البقرۃ:255)

ترجمہ: ’’اور وہ لوگ اُس کے علم کی کوئی بات اپنے علم کے دائرے میں نہیں لا سکتے، سوائے اس بات کے جسے وہ خود چاہے۔ اس کی کرسی نے سارے آسمانوں اور زمین کو گھیرا ہوا ہے‘‘۔

جنت کی وسعت:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق ساتویں آسمان کے اوپر اللہ ربّ العزّت نے جنت کو بنایا ہے۔ ابھی عرش کی بات نہیں ہو رہی۔ ابھی بات ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان کے اوپر جنت کو بنایا ہے۔ اور یہ جنت کتنی بڑی ہے؟ اوّل ایک تمہیدی بات سمجھیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث شریف بیان کی ہے کہ جنت کے 100 درجے ہیں جو مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے ہیں، ایک درجے کا دوسرے درجے سے فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان اور زمین کا فاصلہ۔ (صحیح بخاری: رقم 7423)

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں وہاں پہنچا دے، پھر ہی بات سمجھ آسکتی ہے، ابھی تو ہم ایک اندازہ لے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کمی بیشی معاف فرمائے۔

ان سو درجات کو یوں سمجھیں جیسے 100 جنتیں ہیں۔ اور ہر ہر جنت اس کائنات سے بڑی ہے۔ وہ کیسے؟ دیکھیں! جنت آسمانوں کے اوپر ہے حدیث شریف کے مطابق۔ اور ہر اوپر والا آسمان نیچے والے سے بڑا ہے، تو ساتواں آسمان سب آسمانوں میں بڑا ہوا، اور پھر پہلی جنت ہے جو ساتویں آسمان سے بھی بڑی ہے۔ کیا کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ جنت کا سب سے چھوٹا درجہ وہ اس کائنات سے کتنا بڑا ہوگا۔ اللہ اکبر! جنت کی وسعت کا اندازہ کرنے کے لیے پہلے ایک اور بات جان لیجیے۔ پیمائش کے لیے پہلے کلومیٹر کی بات ہمارے سامنے آئی، پھر میل کی، اور پھر نوری سال کی بات ہمارے سامنے آچکی ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رفتار:

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رفتار کا اندازہ کیجیے۔ ہم اس وقت کیلکولیشن نہیں کر رہے

ہیں کہ پوری رفتار ہمارے حساب سے جان سکیں، اور یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ بس مثال کے ذریعہ سے بات سمجھائی جا رہی ہے۔ آسمان کا جو سب سے دور ستارا ہے وہاں سے زمین تک آنے میں اربوں نوری سال کی ضرورت ہے۔ وہ ستارا جو کسی اور گلیکسی میں ہوگا ہماری گلیکسی میں نہیں ہے وہ پہلے آسمان سے نیچے ہے۔ پھر پہلا آسمان، پھر دوسرا، پھر تیسرا، اسی طرح چوتھا، پانچواں، چھٹا اور ساتواں آسمان، پھر اس کے اوپر جنت۔ اب دیکھیے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رفتار کتنی تیز ہے؟ اللہ اکبر! ادھر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں کنویں میں پھینکا، حضرت یوسف علیہ السلام نیچے نہیں گرے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو عرشِ مجید کے مالک کی طرف سے حکم ہوا کہ جاؤ اور میرے یوسف کو سنبھالو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے نیچے گرنے سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام پہنچ گئے اور ان کو سنبھال لیا۔ اب اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام چھری پھیر رہے ہیں، حکم ہوتا ہے جبرائیل! جاؤ مینڈھا لے جاؤ، اسماعیل کو نکالو اور مینڈھے کو نیچے لگاؤ۔ اب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جنت سے مینڈھا لیا اور منیٰ کے مقام پر پہنچ گئے۔ اندازہ کرسکتے ہیں کہ کتنی تیز رفتار ہوئی۔ یہ تو لمحوں کی بات ہوئی۔ یہاں نوری سال گئے، نوری سال کی کیلکولیشن بھی ختم ہوگئی۔ جس طرح خلا میں جا کر کلومیٹرز زیرو ہوجاتے ہیں، وہاں نوری سال بھی ختم ہوجاتے ہیں۔ خود قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب معراج کے لیے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا

(الاسراء:1)

ترجمہ: ”پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی“۔

نہ کوئی راکٹ ہے، نہ کوئی خلائی لباس ہے، آقا ﷺ وہی سادہ کرتا اور تہبند پہنے ہوئے ہیں۔ اسی لباس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنے پاس بلا لیا اور سارے سفر طے کروا دیے۔ اب ان پیمائشوں کو کون ناپ سکتا ہے، رفتار کو کون سمجھ سکتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے 600 پر ہیں۔ (صحیح بخاری: رقم 3232، صحیح مسلم: رقم 174)

دو پر کھولتے ہیں تو مشرق ومغرب ڈھانپ جاتے ہیں۔ مشرق ومغرب کا اتنا بڑا فاصلہ اور اس کو صرف دو پَروں سے ڈھانپ دینا انسان کی عقل، شعور، اِدراک سے دور ہے۔ انسان محدود ہے، اس کی عقل اس وسعت ورفعت کو نہیں پہنچ سکتی، مگر جسے اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

جنت کا درخت:

آپ کسی فقیر سے مانگیں وہ 10 روپے دے دے گا۔ ملک کے وزیر سے مانگیں وہ 50 ہزار سے لاکھ دے دے گا۔ سعودی عرب کے بادشاہ سے مانگیں وہ ملین بلین میں دے گا۔ ہر دینے والا اپنے حیثیت کے مطابق دیتا ہے۔ سعودی عرب کا بادشاہ 10 روپے نہیں نکال کر دے گا، اگر دے گا تو کوئی بڑی اماؤنٹ دے گا۔ تو پروردگار کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اب اللہ کی دَین کا ذرا سا نظارا کیجیے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھا، اس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔ (سنن ترمذی: رقم 3464)

دوسری حدیث حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ بہترین تیز رفتار گھڑسوار اس کے سائے میں سو سال

تک دوڑتا رہے، لیکن اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔ (صحیح مسلم: کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ)

یہ ایک درخت کی بات ہے، اور ایسے نہ جانے کتنے ہی درخت اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے وہاں رکھے ہیں۔ اب اس کی ذرا سی کیلکولیشن ہم کرتے ہیں۔ ہم ایوریج لے لیں کہ جو بہت اچھی نسل کا اعلیٰ گھوڑا ہے، یہ اگر 70 کلومیٹر ایک گھنٹے میں دوڑتا ہوتو 70 ضرب 24، یہ ایک دن میں 1680 کلومیٹر بن گیا۔ اور ایک مہینے میں 30 دن ہوتے ہیں تو اس طرح ایک مہینے میں 50400 کلومیٹر کا سفر ہوا۔ اور زمین کا کل رقبہ 24 ہزار میل ہے تو ایک مہینے میں ہی زمین کی مسافت سے زیادہ ہو گیا۔ پھر سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں تو 12 کو ہم ضرب دیتے ہیں 50400 سے، حاصل جواب 604800 کلومیٹر ایک سال میں۔ اب اگر اس حاصل جواب کو ہم ضرب دیں ستر سے تو یہ بنتا ہے 42336000۔ یعنی 4 کروڑ، 23 لاکھ، 36 ہزار کلومیٹر ہوا۔ اور یہ صرف ایک درخت کا سایہ جہاں تک پڑ رہا ہے، اتنے حصے کی بات ہوئی ہے۔

جب جنت کے ایک درخت کا رقبہ اتنا بڑا ہے تو وہ درخت خود کیسا ہوگا؟ اللہ کے نبی ﷺ نے یہ بات بھی اُمت کو بتائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں کوئی درخت ایسا نہیں ہے جس کا تنا سونے کا نہ ہو۔ (سنن ترمذی: رقم 2461)

دنیا اصل نہیں ہے:

اب جو اللہ اللہ کرتے ہیں، لوگوں کو اللہ کا نام اسمِ ذات سکھاتے ہیں، ان کا قیامت کے دن کیا ہی مقام ہوگا۔ اور جن کو سارا دن وقت ہی نہیں ملتا اور کروبات ساری رات۔ اِدھر سے بھی حرام باتیں، اُدھر سے بھی حرام باتیں۔ ذرا سوچیں کہ قیامت کے دن کتنے

نقصان اور افسوس کے اندر ہوں گے۔ لوگوں کو سمجھایا جائے کہ چھوڑ دو حرام گفتگو، اور گالیاں دینا چھوڑ دو۔ یہاں تو ہم اِنچوں کے لیے لڑتے ہیں۔ سگے بھائی، ایک ماں باپ کی اولاد، ایک گود میں کھیلنے اور پلنے والے، ایک دوسرے سے بچپن میں بہت محبت کرنے والے سگے بھائی بہن انچوں کے لیے لڑتے ہیں، مرلوں کے لیے لڑتے ہیں، مربعوں کے لیے لڑتے ہیں، کنالوں کے لیے لڑتے ہیں۔ ان چھوٹے موٹے حساب کی کوئی قیمت نہیں رہے گی۔ اور یہ دنیا ہم سب نے چھوڑ کر جانی ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کا یقین دل میں اُتارنا ہے، اور اس کی رضامندی والے اعمال کرنے ہیں۔ جس سے وہ راضی ہوگیا، اس کے وارے نیارے ہو گئے۔

اعمال کی حیثیت کو پہچانیں:

جو نمازی ہر نماز کے بعد 33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 الحمد للہ، اور 34 اللہ اکبر پڑھتا ہے تو اس کے لیے بڑا اجر ہے۔ وہ یہ کہ ان تسبیحات کا پڑھنے والا کبھی ثواب سے یا بلند درجوں کے حاصل کرنے سے محروم نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم: رقم 596)

اور جو تینتیس، تینتیس مرتبہ ان کلمات کو پڑھے اور ایک مرتبہ

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

پڑھے، اللہ تعالیٰ اس پڑھنے والے کے سارے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ (صحیح مسلم: رقم 597)

ان تسبیحات کے پڑھنے میں کتنا معمولی وقت لگتا ہے، اور اَجر کتنا بڑا ہے۔ سارے ہی نمازی اہتمام سے اسے کرنا شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ سب کو دیتے چلے جائیں گے

اور اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

گھاٹے میں کیوں پڑے ہیں؟

آج ہم نامحرموں سے تھوڑی سی گفتگو کے لیے جنت کا سودا کر لیتے ہیں۔ بھائی سے لڑائی کر کے 10، 20، 50 ہزار، لاکھ، کروڑ (مال) کے لیے جنت کا سودا کر لیتے ہیں، اپنے اخلاق کا سودا کر لیتے ہیں۔ ہم کتنے بڑے گھاٹے میں ہیں اور حقیقی نفع سے دور ہیں۔ ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھنے کا کتنا بڑا اجر ہے۔ یہ وہ عمل ہے جس کے لیے وضو کی شرط بھی نہیں ہے، اور ہم اسے نہیں کر رہے۔ ایک سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ کا حساب ہم سے پورا نہیں ہو رہا، تو نماز پہ کیا ملے گا؟ اچھے اخلاق پہ کیا ملے گا؟ دوسرے کو معاف کرنے پہ کیا ملے گا؟ دین کا کام کرنے پہ کیا ملے گا؟ نبی کریم ﷺ کی سنت کو زندہ کرنے پہ کیا ملے گا؟ دین کا کام کرتے کرتے شہید ہو جانے پہ کیا ملے گا؟ اس کو کون کیلکولیٹ کر سکتا ہے؟ کسی انسان کے اندر قوت ہی نہیں۔ جنت اللہ نے اتنی بڑی بنائی ہے، تو جنت کے حصول کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ دنیا کی چھوٹی بڑی سب چیزیں ختم ہو جانے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے ہیں، اور بہت بڑے مہربان ہیں۔

عرشِ عظیم:

انسان جب اپنی قوت و طاقت کو کچھ سمجھنے لگتا ہے کہ میں کچھ ہوں، پھر جب آگے دیکھتا ہے تو اس کو بڑی سے بڑی چیز نظر آتی جاتی ہے۔ ایک بڑی کائنات، پھر ساتوں آسمان، پھر جنت۔ اب جنت کے اوپر اللہ ربّ العزّت کا عرش ہے۔

هل تدرون ما فوق ذلك؟

ترجمہ: ''کیاتم جانتے ہو کہ اس (ساتویں آسمان) سے اوپر کیا ہے؟''

قالوا: الله ورسوله أعلم.

ترجمہ: ''عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) بہتر جانتے ہیں''۔

إن فوق ذلك العرش. (مشكاة المصابيح: باب بدء الخلق وذكر الأنبياء)

ترجمہ: ''اس کے اُوپر عرش ہے''۔

عرشِ الٰہی جنت سے بھی بڑا ہے۔ وہ کتنا بڑا ہوگا؟ ایک حدیث شریف میں ہے:

أن عرش الرب جلّ وعلا هو سقف جنّة الفردوس.

(فتاوی نور علی الدرب: 2/4)

ترجمہ: ''یقیناً اللہ تعالیٰ کا عرش، وہ جنت الفردوس کی چھت ہے''۔

ایک مرتبہ حضور پاک ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے بلال! کیا تمہارے پاس (خرچ کرنے کے لیے) کچھ ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے پاس سوائے ایک مٹھی کے بقدر (کسی چیز) کے اور کچھ نہیں ہے۔ فرمایا: خرچ کرو اے بلال! اور عرشِ عظیم کے مالک سے کمی کے متعلق نہ ڈرو۔

(فوائد ابن حیان: رقم 90)

پریشانی سے حفاظت کا نسخہ:

اور ہم عرشِ عظیم کے مالک سے کیا مانگتے ہیں؟ یہ پریشانی ہے، وہ پریشانی ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے پریشانیوں سے بچنے کے لیے ایک عجیب نسخہ بتایا۔ سورۂ توبہ کی آخری دو آیات عجیب اکسیر ہیں۔ انسان جس پریشانی میں ہو صبح و شام 7، 7 دفعہ پڑھیں اللہ تعالیٰ اسے نکال دیتے ہیں۔ اس دعا میں بھی عرشِ عظیم ہی کا ذکر ہے:

حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ (التوبۃ:129)

ترجمہ: ''میرے لیے اللہ کافی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے''۔

وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے جس نے اتنا کچھ بنالیا، وہ میری چھوٹی موٹی ضروریات کو کیسے پورا نہیں کرے گا، وہ ضرور پورا کرے گا۔

کرسی:

عرش کے اوپر کرسی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (البقرۃ:255)

ترجمہ: ''اس کی کرسی نے سارے آسمانوں اور زمین کو گھیرا ہوا ہے''۔

اس کی مثال ہم نہیں دے سکتے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے اس طرح کا سوال پوچھا کہ عرش، پھر کرسی، پھر استواء علی العرش کا کیا مطلب ہے؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت بہترین جواب دیا اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔ فرمایا:

الاستواء معلومٌ، والكيف مجهولٌ، والإيمان به واجبٌ، والسؤال عنه بدعةٌ.

ترجمہ: ''استواء معلوم ہے، کیفیت معلوم نہیں ہے، اس پر ایمان رکھنا واجب ہے، اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے''۔

یہ سب عند اللہ ہیں، اور جو اس کے شایانِ شان ہے ویسا ہے مَا يَلِيْقُ بِشَأْنِهٖ۔

پھر آگے ستر ہزار نور کے پردے ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اللہ ربّ العزّت کی ذاتِ مبارک لامحدود ہے۔ زمین بھی محدود، آسمان بھی محدود، جنت بھی محدود، عرش بھی محدود۔ یہ سب اس کی مخلوق ہیں، چاہے یہ جتنے بھی بڑے ہوں لیکن کوئی

نہ کوئی ان کی حد ہے۔ پروردگارِ عالم تو لامحدود ذات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت:

ایک سنداً کمزور حدیث قدسی میں ہے کہ ساتوں زمین اور ساتوں آسمان اس کی طاقت نہیں رکھتے کہ میں ان میں سما جاؤں، لیکن اس مؤمن بندے کا دل اس کی طاقت رکھتا ہے جو پرہیزگار اور نرم خو ہے۔ (الزھد لابن ابی عاصم: ص18)

اور جس دل کے اندر نامحرم کی محبتیں ہوں، حرام محبتیں ہوں، انسانوں کے لیے بغض ہو، غصہ ہو، رشتہ داروں کے لیے نفرتیں ہوں۔ ایسے غلیظ اور ناپاک دل کے اندر کیا اللہ پاک کی ذات آسکتی ہے؟ مثلاً ایک چھوٹا سا پیالہ لیں جس میں کوئی نجاست لگی ہوئی ہو، اور اپنی سگی، محبت کرنے والی ماں کے آگے رکھیں اور کہیں کہ ماں! مجھے پیاس لگی ہے، بھوک لگی ہے، دودھ آپ کے پاس ہے، ذرا اس میں دودھ ڈال دیں۔ ماں کہے گی کہ میاں! جاؤ، پہلے پیالہ صاف کر کے لاؤ، پھر جتنا مرضی دودھ لے لینا۔ کون عقلمند کہے گا کہ ماں نے دودھ دینے سے منع کر دیا؟ استغفر اللہ۔ بات یہ ہے کہ دودھ منع نہیں ہے، لیکن گندے پیالے میں نہیں دیتی۔ برتن صاف نہیں ہے۔ کیا خیال ہے کہ جس دل میں نامحرموں کی محبتیں ہوں گی، کیا اللہ کی محبت وہاں آجائے گی؟ اللہ آجائیں گے؟ اللہ غیرت والے ہیں۔ اللہ غیور ہیں۔ یہ دل ایک ہے، اور ایک اللہ کے لیے ہے۔ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نواز دے۔

خوش نصیب شخص:

جو انسان نیکی و تقویٰ اختیار کرتا ہے، وہ ایک بڑا مقام اللہ کی یاد کے ساتھ حاصل کر لیتا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیثِ قدسی مروی ہے۔ اللہ

تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ نوافل (کی ادائیگی) کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ جب وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اس کے سوال کو پورا کرتا ہوں، اور جب وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو میں اسے معاف کر دیتا ہوں، اور جب وہ مجھ سے کسی (شر) میں پناہ مانگتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری: رقم 6502)

جو اللہ کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کے طریقوں کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لیتا ہے، اس کی کتنی عظمت ہے۔ یہ چھوٹی بات نہیں ہے بہت بڑا مقام ہے۔ جب ہم اپنے دل کو غیر سے خالی کریں گے، اللہ کی یاد میں وقت گزاریں گے۔ پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے آتی ہے۔

ایمان اور شکر گزاری:

اتنا بڑا پروردگار، اتنی عظمتوں والا پروردگار وہ اپنے قرآن میں کیا فرماتا ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

(النسآء: 147)

ترجمہ: ''اگر تم شکر گزار بنو اور (صحیح معنوں میں) ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر آخر کیا کرے گا؟ اللہ بڑا قدر دان ہے، (اور) سب کے حالات کا پوری طرح علم رکھتا ہے''۔

ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں الحمد للہ! ہم شکر کرنے والے بن جائیں، سابقہ

کوتاہیوں سے معافی مانگنے والے بن جائیں پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ ط (الزمر:36)

ترجمہ: ''کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟''

اللہ ہمارے لیے کافی ہیں، اللہ ہمارے لیے کافی ہیں۔ اب اللہ کے غیر کو چھوڑ کر اللہ کے در کو پکڑ لیجیے۔ اللہ کو منا لیجیے۔ اللہ راضی ہونے کے لیے تیار ہیں۔ آج دل میں ارادہ کر لیں کہ اللہ! آج کے بعد تیرے غیر کو محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے۔ ہم بے حیا نہیں ہیں۔ ہم بے حیائی والے نہ دن منائیں گے، نہ راتیں منائیں گے، نہ بے حیا لوگوں جیسا لباس پہنیں گے، نہ ان جیسے اعمال کریں گے۔ اللہ! ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے دل میں آ جائیں، آپ ہمارے دل میں سما جائیں، آپ ہمارے دل میں چھا جائیں۔ یہ دل اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کے لیے ہے، اور اس کی صفائی کی ذمہ داری ہماری ہے۔

انسانی دل کی چابی:

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ گھر کی صفائی ستھرائی میزبان کا کام ہے، اس کی ڈیوٹی ہے۔ مہمان کا کام نہیں کہ وہ کسی کے گھر آئے تو اس گھر کی صفائی ستھرائی میں لگ جائے۔ اسی طرح اس دل کو صاف کرنا ہمارا کام ہے، کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت آنی ہے۔ دیکھیں! اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزیں بنائیں اور ان کی چابیاں مختلف لوگوں کو دیں۔ بیت اللہ شریف اللہ تعالیٰ نے بنایا مگر اس کی چابی قبیلہ بنوشیبہ کے پاس ہے۔ وہی اس کا سارا انتظام دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم بنائی، اور اس کی چابی جہنم کے داروغہ مالک

کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت بنائی، اور اس کی چابی جنت کے داروغہ رضوان کے پاس ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کا دل بنایا، اور اس کی چابی اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھی۔

غور کیجیے کہ کسی کی چابی فرشتوں کو دی، کسی کی اپنے بندوں میں سے کسی کو پکڑا دی؟ اور انسان کے دل کی چابی اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھی۔ حدیث شریف میں ہے:

إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ. (صحیح مسلم عن عبداللہ بن عمرو بن العاص: رقم 4804)

ترجمہ: ’’بے شک تمام بنی آدم کے دل رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں، وہ جیسے چاہتے ہیں پھیر دیتے ہیں‘‘۔

جہاں بندوں کا دل چاہتے ہیں موڑ دیتے ہیں۔ اس کی قدرت ہم پر کس قدر ہے اللہ اکبر۔ ہم اللہ تعالیٰ سے مانگیں کہ اے اللہ! ہمارے دل کی چابی آپ کے پاس ہے، آپ ہمارے دل کو ہدایت کی طرف موڑ دیجیے، استقامت دے دیجیے۔ قیامت تک، آخری سانس تک، موت تک اے اللہ! ہمیں دین پر استقامت عطا فرما دیجیے۔ مذکورہ حدیث شریف کے آخر میں ہے کہ جنابِ نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کی:

اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ.

ترجمہ: ’’اے اللہ دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو آپ کی اطاعت کی طرف پھیر دیجیے‘‘۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ سے ایک اور بھی عجیب

دعا منقول ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جب کسی بندے کو پریشانی اور غم لاحق ہو تو وہ یہ دعا مانگے، اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی کو دور کردیں گے اور اسے خوشی عطا فرمائیں گے۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! پھر تو ہمیں اس دعا کو سیکھنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں، جو بھی اس دعا کو سنے اسے چاہیے کہ سیکھے (یاد کرے)۔ وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ ، وَابْنُ عَبْدِكَ ، وَابْنُ أَمَتِكَ ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ ، سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي ، وَنُورَ صَدْرِي ، وَجِلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي. (مسند أحمد: رقم 4167)

آج کے حالات میں کیا کریں؟

یہ جو آج دین کا کام کرنے والے ہیں۔ طلباء وطالبات، معلّمین ومعلّمات۔ چاہے کوئی دین کے کسی بھی شعبے میں کام کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں نعمتیں عطا فرمائیں گے۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ انہیں خالی نہیں رکھیں گے، لیکن اللہ آخرت میں انہیں خاص دینا چاہتے ہیں۔ وہاں جو کچھ ملے گا اس کا اندازہ میں اور آپ نہیں کرسکتے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دین کے لیے ادارے قائم کریں۔ دین کی محنت کریں۔ اور ان لوگوں کے ساتھ جڑ جائیں جو ہمیں حیا اور پاکدامنی کی تعلیم دیتے ہوں۔ آج وہ وقت آچکا ہے کہ بے حیائی کے اڈے کھولنا آسان ہے، اور حیا کی دعوت دینا مشکل کام۔ کافروں نے تو ہمیں اپنا دشمن بنایا ہی بنایا، ایمان والے روشن خیال نئی روشنی اسکول کے پڑھے

ہوئے لوگوں نے بھی ہمیں دقیانوسی کہہ کر اپنے سے دور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں آ جایئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بلاتے ہیں:

يَآيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿٦﴾ (الانفطار:6)

''اے انسانو! تم اپنے کریم رب کو چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو؟''

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (الذاریات:50)

تم سب اللہ کی طرف لوٹ آؤ۔ یہ لوٹ آنا انتظار کا معنی دیتا ہے۔ آ جاؤ یہ ایک معنی ہے۔ ایک ہوتا ہے لوٹ آؤ یعنی میرے پاس واپس آ جاؤ۔ دونوں میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے انتظار میں ہیں۔ جو توبہ کے لیے تیار، سچے پکے ارادے کے ساتھ توبہ کے کلمات پڑھ لے، اللہ تعالیٰ کو منانے کا ارادے کر لے ان شاء اللہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے یہ نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

تحمل مزاجی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَا دِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

قال النبي صلى الله عليه وآله وسلم:

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ، دعاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيامَةِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ اللَّهُ مِنَ الْحُورِ الْعِيْنِ مَا شَاءَ.

(سنن الترمذي: رقم2493)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَ سَلِّمْ

علم کے ساتھ حِلم :

تحمل مزاجی اور برداشت ملتے جلتے لفظ ہیں لیکن ہماری زندگی کے اندر ان کا بہت بڑا کردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝ (الاحزاب:51)

اس آیتِ شریفہ میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات کو بیان کیا گیا ہے:

1 علم 2 حِلم

اللہ تعالیٰ علم والے بھی ہیں اور حِلم والے بھی ہیں۔ بندوں میں علم کی صفت تو پھر بھی مل جاتی ہے، لیکن علم کے ساتھ حِلم نورٌ علیٰ نور ہے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم کی زینت حِلم کے ساتھ ہے، برداشت کے ساتھ ہے، تحمل مزاجی کے ساتھ ہے۔ جسے دین کا علم ہو اور تحمل مزاجی نہ ہو، یہ زینت اور خوب صورتی سے محروم ہے۔

تحمل مزاجی کی تعریف :

انسان کے اندر فطری طور پر جذبہ انتقام موجود ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے نفس کو قابو کر لے، اور اپنے آپ کو روک لے اور باوجود قدرت کے سامنے والے کو معاف کر دے، اس کو تحمل مزاجی کہتے ہیں۔ گویا دوسرے کی تکلیف پر صبر کرنا، اسے برداشت کرنا اور اس سے درگزر کرنا تحمل مزاجی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حِلم :

کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹے بچے کھیلتے ہوئے آپس میں لڑ پڑتے ہیں، اور پھر آ کے والدین کو اَدھوری بات بتاتے ہیں۔ بعض مرتبہ والدین جان لیتے ہیں کہ بچے کی

غلطی ہے تو کچھ تو ایسے ہیں کہ بچے کی غلطی مان کر ازالہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور کچھ جان کر بھی جری بنتے ہیں اور لڑائی شروع کر دیتے ہیں۔ بعض والدین ایسے بھی ہوتے ہیں کہ تھوڑی بات جان لینے کے بعد کہ دوسرے بچے کی غلطی ہے، اپنے بچے کا قصور نہیں ہے، پھر بھی معاف کر دیتے ہیں۔ ذرا سوچیے کہ جو والدین معاف کر رہے ہوتے ہیں، انہیں پوری بات کا پتا نہیں ہوتا پھر بھی وہ معاف کرتے ہیں۔

اور اللہ ربّ العزّت کا حلم کس قدر عظیم ہے کہ جس وقت بندہ گناہ کا اِرادہ کرتا ہے اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ پھر وہ بندہ اپنے ارادے پر عمل کرنے کے لیے قدم بڑھاتا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ نافرمانی کی طرف جا رہا ہے، گناہ کی طرف جا رہا ہے۔ باوجود انتقام پر قدرت کے بندے کو ڈھیل دیتے ہیں۔ پھر وہ بندہ اللہ کی نظروں کے سامنے نافرمانی کر لیتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ عظیم الشان ہیں، حلم والے ہیں کہ اس کے باجود بھی اس کو نہیں پکڑتے۔ اگر ہر ہر گناہ پر فوراً پکڑ شروع ہو جائے تو ہم میں سے آج کوئی زندہ نہیں بچے گا۔ میرے پروردگار کا اتنا وسیع علم ہے، اور اس کے ساتھ اتنا وسیع حلم ہے۔ یہ اس کی شان ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان بندے کو رزق دیے چلے جاتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ گناہ کرنے والے کی روٹی کڑوی ہو جائے، اس کی چھت میں کوئی دڑار پڑ جائے۔ اللہ ربّ العزّت اس کو عطا فرمائے جاتے ہیں۔ بعض مرتبہ تو اللہ تعالیٰ دوسرے بندوں کے ذریعے اس کی تعریف کے کلمات بھی کہلوا رہے ہوتے ہیں۔ لوگ اس نافرمان کو عزّت دے رہے ہوتے ہیں۔

اصل تعریف اللہ کی:

ایک اللہ والے اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

''اے دوست! جس نے تیری تعریف کی در حقیقت اس نے اپنے رب کی ستاری کی تعریف کی''۔

یعنی جس نے تمہاری تعریف کی اس نے درحقیقت اپنے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی۔ یعنی اگر اللہ ربّ العزّت نے تجھ پر ستاری نہ کی ہوتی تو کوئی تھوکنا بھی منہ پر گوارا نہ کرتا۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے عیبوں پر پردے ڈالے ہوئے ہیں۔ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اس جھوٹ کی بدبو سے انسان سے ایک میل دور چلے جاتے ہیں۔ اگر ہماری زبان سے نکلے ہوئے جھوٹ کی بدبو اللہ تعالیٰ انسانوں پر ظاہر فرمادیں تو ہمارا کیا بنے گا؟ ہمیں کوئی قریب بٹھانا بھی پسند نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں، مگر وہ ایسا نہیں کرتے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ حلیم ہیں۔ باوجود اپنے علم کے، اللہ تعالیٰ کا حلم دیکھیں کہ اللہ ربّ العزّت پردے ڈال دیتے ہیں۔ اور پھر فوری طور پر سزا بھی نہیں دیتے بلکہ توبہ کی مہلت دے دیتے ہیں۔ حضور پاک ﷺ کی برکت سے اس اُمت کے ساتھ خاص شفقت کا معاملہ ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ:

قرآن پاک میں دو تین مقامات پر حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جنت میں ایک بھول ہوگئی تھی کہ انہوں نے بھول کر اس درخت سے کھالیا جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ اور یہ بھول سے ہوا تھا جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا ۝ (طٰہٰ:115)

ترجمہ: ''اور ہم نے آدم کو ایک بات کی تاکید تھی، پھر اُن سے بھول ہوگئی، اور ہم نے اُن میں عزم نہیں پایا''۔

اللہ ربّ العزّت نے اُن کی غلطی پر فوری ایکشن لیا، اُن کا جنت کا لباس اُتر گیا، جنت کے مکان میں رہنے نہیں دیا گیا، زمین پر اُتار دیا گیا۔ سب سے بڑھ کر معاملہ یہ ہوا کہ لوگوں کو اطلاع کر دی گئی کہ اُن سے ایک غلطی ہوئی تھی۔ اور حضور پاک ﷺ کی دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کتنی رحمت کا معاملہ کیا ہے کہ ہم کپڑے اُتار کر گناہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ گھر واپس پہنچا دیتے ہیں، اوپر سے پردے بھی ڈال دیتے ہیں۔ لوگ عزّت کر رہے ہوتے ہیں۔

ایک اللہ والے کا واقعہ:

ایک مرتبہ ایک اللہ والے کہیں جا رہے تھے۔ ایک ہمسفر شخص اُن کے ساتھ بہت برا سلوک کر رہا تھا۔ کسی نے دیکھا کہ بزرگ خاموش ہیں اور کوئی جواب نہیں دے رہے ہیں اور یہ سامنے والا گالیاں دے رہا ہے۔ ان صاحب نے اُن بزرگ سے کہا کہ حضرت! وہ آپ کو گالیاں دے رہا ہے اور آپ اس کو کچھ بھی نہیں کہہ رہے۔ اُن بزرگ نے بڑی عجیب بات ارشاد فرمائی۔ کہنے لگے: برتن سے وہی نکلتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ اس کے اندر شر بھرا ہوا ہے اس لئے شر ہی نکل رہا ہے، اور میرے اندر خیر کا مادہ بھرا ہوا ہے تو وہی نکلے گا۔

معلوم ہوا کہ تحمل مزاجی کی صفت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے۔

درگزر کرنا:

حضور پاک ﷺ کا اصلاح کرنے کا طریقہ تحمل مزاجی اور برداشت والا تھا۔ اگر کبھی کسی سے کوئی بات غلط ہو جاتی تو آپ ﷺ درگزر کر دیا کرتے تھے۔ آج ہماری زندگی سے یہ بات نکل گئی ہے کہ کہیں کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو درگزر کیا جائے۔ ہر بات کو

پکڑنا، اور دوسروں کو غلطی کا احساس دلانا کوئی دانشمندی نہیں ہے۔ ہمارا طریقہ برائی کو دور کرنے کا ڈنڈے اور سختی کے ساتھ ہے۔ قرآن مجید نے بھی برائی کو دور کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ

(النحل:125)

ترجمہ: ''اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اُسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) اُن سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو''۔

کہیں کسی شخص کے اندر کوئی برائی ہو، معاشرے کے اندر کوئی برائی ہو، ہم برائی کو اچھائی کے ساتھ دور کریں گے تو وہ دور ہو جائے گی۔ برائی کو برائی کے ساتھ دور کرنا چاہیں گے تو کبھی بھی دور نہیں ہوگی۔ کسی جگہ نجاست ہے، یا مثلاً پیشاب ہے۔ اب کوئی اور آ کر یہیں پر پیشاب کرے گا تو جگہ پاک نہیں ہوگی۔ پاک پانی کو بہا دینے سے جگہ پاک ہو جائے گی۔ اپنے اندر کی برائی کو، گھر کی برائی کو، دوسرے کی برائی کو اچھائی اور نرمی کے ساتھ ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں:

مظلومی پر صبر، معاملے میں راست بازی انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی کی زندگی میں ایک جگہ جمع نہیں ہوتے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں جمع ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحمل مزاجی کے واقعات ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو ہم اپنے سامنے رکھ کر زندگی گزاریں تو ہماری زندگی کے اندر خوبصورتی آ جائے گی، اور برداشت کرنے کا طریقہ آ جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے دشمن اتنی تکلیف

پہنچاتے تھے مگر ان کا صبر اتنا بڑھ جاتا تھا۔ اور جاہل جتنا آپ ﷺ کے ساتھ جہالت کا معاملہ کرتے تھے نبی کریم ﷺ کا حلم اتنا ہی بڑھ جایا کرتا تھا۔

نبی کریم ﷺ کا خادم کے ساتھ برتاؤ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ خادمِ رسول ﷺ ہیں۔ دس سال تک تقریباً انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت کی۔ سفر میں، حضر میں، حتیٰ کہ گھر میں بھی آنا جانا تھا۔ فرماتے ہیں کہ ان دس سالوں میں حضور پاک ﷺ نے نہ کبھی مجھے مارا، نہ کبھی مجھے ڈانٹا، نہ مجھے اُف کہا، کبھی کسی کام کے کرنے پر یہ نہیں کہا کہ ایسا کیوں کیا، یا نہ کرنے پر ایسا نہیں کہا کہ کیوں نہیں کیا۔ (صحیح مسلم: رقم 2309)

ذرا سوچیے کہ ہمارا ملازم ہو تو دس سال تو بڑے دور کی بات، دس دن بھی ہم اپنی اچھائی ثابت نہ کر سکیں کہ دس دن بھی اس کے ساتھ نرمی رکھی ہو۔

نبی کریم ﷺ کا گھر والوں کے ساتھ برتاؤ:

روزمرہ کے تعلقات میں انسان کا سب سے زیادہ تعلق اپنے گھر والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اپنے گھر کی خواتین کے لیے تربیت و تعلیم کا بندوبست کرنا مرد کی ذمہ داری ہے۔ کامیاب مرد وہ ہے جو تعلیم و تربیت کا ایسا بندوبست کرے جس سے گھر والوں کو فائدہ ہو۔ اور اس میں سخت لہجے کے بجائے نرمی اور شفقت سے پیش آئے۔ اُمّ المؤمنین امی عائشہ رضی اللہ عنہا عمر میں نبی کریم ﷺ سے چھوٹی تھیں۔ اس کے باوجود نبی کریم ﷺ کتنا خیال فرماتے تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگا لیجیے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ اُن کی بیٹی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول

اللہ ﷺ سے اُونچی آواز میں بات کر رہی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ بات ناگوار گزری تو انہوں نے باپ ہونے کے ناطے بیٹی کو تھپڑ لگانا چاہا۔ فرمایا:

أَلَا أَرَاكِ تَرْفَعِينَ صَوْتَكَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: کیا میں تمہیں نہیں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری آواز رسول کریم ﷺ (کی آواز) سے بڑھی ہوئی ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے محسوس کرلیا کہ صدیقِ اکبر کو بیٹی کی یہ بات اچھی نہیں لگی۔ آپ ﷺ اپنی زوجہ مطہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے کر کے خود ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے آگئے تاکہ وہ کچھ نہ کریں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غصے کی حالت میں چلے گئے۔ جب وہ چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كَيْفَ رَأَيْتِنِي أَنْقَذْتُکِ مِنَ الرَّجُلِ ؟

ہاں! کیسے میں نے تمہیں اس آدمی (یعنی آپ کے والد) سے بچایا۔ مقصود اپنی زوجہ کو خوش کرنا تھا۔ چند روز گزر جانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ ﷺ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دونوں کی صلح ہو چکی ہے۔ چناں چہ دونوں سے کہا کہ مجھے اپنی صلح میں داخل ہونے دو جیسے کہ تمہاری جنگ میں میں داخل ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم نے آپ کو اپنی صلح میں داخل کر دیا۔ ہم نے آپ کو اپنی صلح میں داخل کر دیا۔ (سنن ابی داؤد: رقم 4999، باب ماجاء فی المزاح)

غَارَتْ أُمُّكُمْ:

بخاری شریف کی روایت ہے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ اُمہات المؤمنین میں سے کسی اُمّ المؤمنین کے گھر تشریف فرما تھے۔ اتنے میں کسی اور اُمّ المؤمنین نے خادم کے ہاتھ

نبی کریم ﷺ کو ایک پیالے میں کھانا بھیج دیا۔ واضح سی بات ہے کہ جس اُمّ المؤمنین کے گھر میں نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہوں گے، ان کے دل کی یہ چاہت ہوگی کہ آج میری باری ہے تو خدمت بھی میں کروں۔ جب خادم کھانے کا پیالہ رسول اللہ ﷺ کو دینے لگا تو اسی دوران اِن اُمّ المؤمنین کو غیرت آئی اور اس طرح سے ہاتھ مارا کہ پیالہ نیچے گر کے ٹوٹ گیا۔ جنابِ نبی کریم ﷺ ٹوٹے ہوئے پیالے کے ٹکڑے جمع کرنے لگے اور جو کھانا گر گیا تھا، اسے بھی اٹھانے لگے۔ ساتھ میں آپ ﷺ اپنی اس اہلیہ کی دل جوئی کے لیے خادم اور دیگر موجود افراد سے فرما رہے تھے:

غَارَتْ أُمُّكُمْ.

تمہاری ماں کی غیرت نے پیالہ توڑ دیا۔ قربان جایئے نبی رحمت ﷺ پر کہ ایسے موقع پر نہ اپنی زوجہ مطہرہ کو ڈانٹا، نہ جھڑکا، نہ باتیں سنائیں، بلکہ خود جھک کر برتن کے ٹکڑے اور گرا ہوا کھانا جمع کرنے میں لگ گئے۔ کتنے اچھے طریقے سے معاملہ ختم کر دیا، دوسری کوئی بات ہی نہیں۔ پھر اس گھر سے ایک صحیح پیالہ لے کر خادم کے ہاتھ بھجوا دیا اور ٹوٹے ہوئے پیالے کو یہیں رکھ دیا۔ (صحیح بخاری: رقم 4927)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے بھیجنے والی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں، اور جس نے غیرت کی وجہ سے برتن توڑا وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اگر ہم محبت کے ساتھ، تحمل مزاجی کے ساتھ زندگی گزاریں گے تو یقیناً ہمیں گھر میں عزت ملے گی، اور ہم گھر میں اپنا ایک مقام بنا پائیں گے۔ خوشگوار زندگی کے لیے تحمل مزاجی بہترین چیز ہے۔ جس بندے کے اندر تحمل مزاجی نہیں اسے ہر ایک سے شکوہ ہوگا۔ خاوند ہے تو بیوی سے شکوہ، بیوی ہے تو خاوند سے شکوہ۔ حضور پاک ﷺ کی

زندگی ہمارے لیے روشن، مشعلِ راہ ہے۔ یہ صرف گھر ہی کی بات نہیں، ہر ایک کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا یہی معاملہ تھا۔

طائف کا دن:

ایک مرتبہ اماں جان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا آپ پر اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت دن گزرا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عائشہ! مجھے تمہاری قوم سے جو تکلیفیں پہنچی ہیں اُن میں سب سے زیادہ سخت دن عَقَبہ کا دن ہے۔ اس دن میں نے (طائف کے سردار) ابن عبدِ یالیل سے اسلام قبول کرنے اور پناہ دینے کی بات کی، اس نے میری بات کو رد کردیا۔ میں وہاں سے انتہائی رنجیدہ ہوکر واپس ہوا اور اسی حالت میں قرن الثعالب پہنچا، تب مجھے کچھ ہوش آیا۔ (قرن الثعالب مکہ اور طائف کے درمیان سرحدی پہاڑ کا نام ہے) وہاں پہنچ کر میں نے اپنا سر اُوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بدلی کا ایک ٹکڑا میرے اوپر سایہ کیے ہوئے ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ اس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام اس میں موجود ہیں۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں آپ کی قوم کی باتیں سن چکا، اور جو انہوں نے رد کیا ہے وہ بھی سن چکا۔ آپ کے پاس اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، آپ ان کے بارے میں جو چاہیں اس کا اسے حکم دے دیں۔ اس کے بعد مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی، مجھے سلام کیا اور کہا کہ اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کی قوم کی بات کو سن چکے ہیں، میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، آپ کے رب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہی اسی لیے ہے کہ آپ جو چاہیں اس کا مجھے حکم فرمائیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں دونوں طرف کے پہاڑ ان پر لاکر ملادوں (جس سے وہ چکنا چور ہوجائیں؟) صبر و تحمل کے پیکر خاتم النبیین

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بل أرجو أن يخرج الله من أصلابهم من يعبد الله وحده ، ولا يشرك به شيئًا.

(متفق علیہ، مشکاۃ المصابیح: رقم 5848)

ترجمہ: ''مجھے تو اس کی اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اکیلے اللہ کی عبادت کرے گی، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی''۔

آپ ﷺ نے اس موقع پر بھی زبان سے بددعا کا کوئی لفظ نہیں نکالا۔ حتیٰ کہ اُحد کے دن نبی کریم ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ آپ ﷺ کے ہونٹ مبارک زخمی ہو گئے۔ آپ ﷺ کے پُرنور چہرے مبارک پر زخموں کے نشان آ گئے اور خون بہنے لگ گیا۔ اس تکلیف میں آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگین کر دیا۔ یہ واقعہ سیرت ابن ہشام میں غزوۃ احد کے عنوان کے تحت میں مذکور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اپنے دندان مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا غضب اترتا ہے اس قوم پر جو اس کے نبی کے ساتھ یہ سلوک کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا غضب اترتا ہے اس شخص پر جسے اللہ کا رسول قتل کر دے۔

(صحیح بخاری: رقم 3845، کتاب المغازی)

آپ ﷺ کی تکلیف اور حالت کو دیکھ کر ایک صحابی نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ مشرکین پر کوئی بددعا کریں کہ ویسے ہی ان کا کام تمام ہو جائے۔ (کیوں کہ یہ مشرکین آپ ﷺ کو اتنی تکلیف پہنچاتے ہیں) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إني لم أبعث لعّانًا وإنما بعثتُ رحمةً. (صحیح مسلم: باب النهي عن لعن الدواب)

ترجمہ: ''میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں تو رحمت والا (شفقت والا) بنا کر

بھیجا گیا ہوں''۔

نبی کریم ﷺ کا اپنے دشمنوں کے ساتھ کیسا بہترین معاملہ تھا۔ ہمارا تو اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے ساتھ بھی ایسا معاملہ نہیں ہے۔ غور کرنے کی بات ہے۔

حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ:

حضور پاک ﷺ نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا جو بڑی کامیابی کے ساتھ بنی حنیفہ کے ایک آدمی ثمامہ بن اُثال کو گرفتار کر کے لے آیا۔ یہ دراصل یمامہ کے سردار تھے۔ انہیں مسجدِ نبوی کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ تین دن تک برابر اُن کے پاس جاتے رہے اور ان سے پوچھتے کہ تمہارے پاس کیا ہے اے ثمامہ؟ ان کا ایک جواب ہوتا کہ اے محمد! میرے پاس خیر ہے۔

1. اگر تم مجھے قتل کرتے ہو تو تم ایک بہادر کو قتل کرو گے۔
2. اگر تم مجھ پر احسان کر کے چھوڑ دیتے ہو تو تمہارا احسان مند رہوں گا۔
3. اور اگر تمہیں مال چاہیے تو مانگو، جو تم مانگو گے تمہیں ملے گا۔

تیسرے دن رسول اللہ ﷺ نے اسے آزاد کرنے کا حکم دیا۔ آزاد ہونے کے بعد انہوں نے مسجد سے باہر جا کر غسل کیا اور پھر مسجد میں آ کر بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! پہلے آپ کے چہرے، آپ کے دین، آپ کے شہر سے میں نفرت کرتا تھا، لیکن اب مجھے آپ کا چہرہ مبارک، آپ کا لایا ہوا دین، آپ کا شہر سب سے زیادہ پسند اور محبوب ہے۔ میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں، آپ کا کیا خیال ہے؟ (چوں کہ ابھی اہلِ مکہ کو ان کے قبولِ اسلام کا معلوم نہ تھا، اسی وجہ سے ان کے لیے عمرہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی) آپ ﷺ نے انہیں

قبولِ اسلام پر خوشخبری دی اور عمرہ کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ مکہ مکرمہ آئے، عمرہ کیا۔ کسی نے انداز دیکھ کر پہچان لیا اور کہا کہ ثمامہ! تم دین بدل چکے ہو؟ بات کھلی تو کہا کہ نہیں، میں نے تو رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا ہے۔ (اصل دین ہی اسلام ہے، تو آدمی اپنی اصل کی طرف آنے والا بدلنے والا نہیں ہوتا بلکہ اصل کی طرف لوٹنے والا ہوتا ہے۔)

پھر انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! یمامہ سے تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر ایک دانہ گندم بھی نہیں آئے گا۔ (بخاری، رقم:4372، مسلم، رقم 4688، مسند احمد، رقم 9832)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح بخاری (کتاب المغازی) میں بحوالہ سیرت ابنِ ہشام نقل کیا ہے کہ مکہ کے لوگ ہر سال ثمامہ سے گندم خریدتے تھے۔ مکہ میں گندم نہیں ہوتی تھی۔ اب مکہ والے بہت پریشان ہوئے کہ کیا کریں۔ گندم کا اسٹاک ختم ہو گیا تو قحط شروع ہو جائے گا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا:

إنك تأمر بصلة الرحم، وإنك قطعت أرحامنا.

"بے شک آپ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، مگر ابھی آپ نے رشتہ داری کو توڑ دیا"۔

اللہ اکبر! جن لوگوں نے رشتہ داری کا پاس اس وقت نہیں رکھا جب آپ ﷺ مکہ شریف میں تھے، جب شعبِ ابی طالب میں آپ ﷺ سمیت اہل خانہ کا معاشی اور شوشل مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے مدینہ شریف کی طرف ہجرت فرمائی۔ اب وہی لوگ حضور پاک ﷺ کو رشتہ داری یاد دلا رہے ہیں۔ جنابِ رحمۃ للعالمین حضور پاک ﷺ نے ثمامہ کی طرف ایک خط بھیجا:

أن يخلي بينهم وبين الحمل إليهم .

''ثمامہ! جس طرح تم ان کو گندم دیتے تھے اسی طرح دیتے رہو''۔ (سیرت ابنِ ہشام)

حضور ﷺ کی دعا سے قحط دور ہونا:

ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ مکہ مکرمہ میں قحط آ گیا یہاں تک کہ لوگ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ سردارِ قریش ابو سفیان جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ دعا کریں کہ یہ قحط سالی دور ہو۔ جنابِ رحمۃ للعالمین ﷺ نے دعا کی اور قحط دور ہو گیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی:640)

شامی اور برمی مسلمانوں کی مدد کریں:

اس وقت ہمارے پاس ایک بہترین موقع ہے۔ شام اور برما کے اندر جو حالات ہیں۔ کچھ عرصے میں لاکھوں مسلمان شہید ہو چکے ہیں، اور لاکھوں افراد لاپتہ ہیں۔ یو این او سمیت کوئی بھی ادارہ ان کی مدد کے لیے وہاں نہیں ہے۔ ان کے نزدیک انسانوں سے زیادہ تو جانوروں کی قیمت ہے۔ آپ کسی کتے یا شیر وغیرہ کو مار دیں، یہ آپ کے پاس انٹرنیشنل قانون کی خلاف ورزی کا پرچہ لے کر پکڑنے آ جائیں گے۔ مگر انسانیت کے نام سے قتل و غارت گری خصوصاً مسلمانوں کا قتلِ عام تو انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ الحمدللہ! ہمارے یہاں پاکستان سے دو اِدارے ان حضرات کی خدمت میں آگے آگے ہیں: (۱) خبیب فاؤنڈیشن (۲) بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کراچی۔ اب ہمارے پاس موقع ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی دل کھول کر مدد کریں۔ ملکِ شام تو انبیاء علیہم السلام کی سرزمین تھی۔ دشمنانِ اسلام نے آج وہاں کیا حال کر دیا ہے۔ اپنے مسلمان بھائیوں کا خیال کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

بہرحال بات چل رہی تھی کہ ہم اپنے اندر تحمل مزاجی پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے

بندوں کے ساتھ حلم کا معاملہ فرماتے ہیں۔ تو بندوں کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ، اس کی مخلوق کے ساتھ تحمل کا معاملہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

سونے کی سنتیں اور تہجد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قال اللہ تعالی: فَتَہَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

(بنی اِسرائیل:79)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

کامیاب انسان:

اس دنیا کی زندگی میں ہمارا مقصد اللہ ربّ العزّت کو راضی کرنا ہے اور حضور

پاک ﷺ کی اتباع کرنا ہے۔کل جب قیامت کے دن انسان سنت پرعمل کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچے گا تو وہ قیامت والے دن نبی کریم ﷺ کی شفاعت بھی حاصل کرے گا، اور پھر وہ آپ ﷺ کے ہاتھوں سے جامِ کوثر بھی نوش کرے گا، اور آپ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے بھی جمع ہوگا، اورصحابہ کرام رضی اللہ عنہم، شہداء اور صالحین کی معیت میں جنت میں بھی داخل ہوگا۔ ایسا صرف اسی کے ساتھ ہوگا جو آقا ﷺ کی ایک ایک سنت کو شوق اور لگن کے ساتھ اپنی زندگی میں لائے گا۔آج ہماری زندگی میں پریشانیاں کیوں ہیں؟ کیوں کہ ہماری زندگی سنتوں سے خالی ہے۔

''گلدستہ سنت'' کے بیانات کا سلسلہ چل رہا ہے۔مقصد یہی ہے کہ ہماری زندگی میں اللہ کے نبی ﷺ کا طریقہ زندہ ہوجائے۔آج کے اس بیان میں رات میں سونے اور تہجد پڑھنے، اور دن میں قیلولہ کرنے کے بارے میں بات ہوگی۔ نبی کریم ﷺ کا دن بھی عبادت تھا اور رات بھی عبادت تھی۔دن میں اللہ کو یاد کرتے،کبھی دعاؤں کے ذریعے،کبھی دین کی محنت کے ذریعے۔اور رات کو آرام بھی فرماتے، اور تہجد اور دیگر عبادات کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔

نبی ﷺ کے گھر والوں کی خدمت:

نبی کریم ﷺ جب رات کو سونے کے لیے بستر پر آتے تو اماں جان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی اور مسواک آپ ﷺ کے سرہانے یا کسی قریبی جگہ رکھ دیا کرتی تھیں تاکہ جس وقت نبی کریم ﷺ تہجد کے لیے اٹھیں تو وضو کے لیے پانی تلاش کرنے میں دِقت نہ ہو اور مسواک بھی سامنے موجود ہو۔یعنی آپ ﷺ اٹھیں،ضروریات سے فارغ ہوں،مسواک کریں اور نماز کے لیے کھڑے ہوجائیں۔

(مسند احمد: رقم 24901،شرح مواہب: 68/5)

یہ نیک بیوی کی پہچان ہے کہ جس چیز کی تہجد میں خاوند کو ضرورت ہے وہ اس کا اہتمام رات سے کر کے رکھتی ہے۔ چناں چہ جب نبی کریم ﷺ رات میں تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو قضائے حاجت سے فارغ ہو کر مسواک کرتے، وضو فرماتے اور مصلے پر تشریف لے جاتے۔ امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم ازواج مطہرات یعنی تمام بیویاں آپ ﷺ کے لیے رات ہی سے ساری تیاری کر دیتی تھیں۔ یعنی مسواک اور طہارت کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے تو ان کو سونے سے پہلے رکھ دیا کرتی تھیں۔ سبحان اللہ! کیا پیاری بات کہی ہے امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے۔

آپ ﷺ کا تہجد کے لیے بیدار ہونا:

آج بھی دنیا کے محبوب ایک دوسرے کو میسج کر کے جگاتے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ خود جگاتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو جگاتے تو آپ ﷺ بیدار ہو جاتے، مسواک فرماتے، وضو فرماتے اور اس کے بعد تہجد کی نماز پڑھتے۔ کبھی چار رکعات تو کبھی آٹھ رکعات۔ اور پھر آخر میں تین رکعات وتر ادا فرماتے تھے۔ وتر نبی کریم ﷺ اخیر رات میں پڑھا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تہجد چار رکعات بھی پڑھ سکتے ہیں اور آٹھ رکعات بھی پڑھ سکتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ رات میں عشاء کے بعد جو نفل نماز ہے اس میں انسان تہجد کی نیت کر لے تو وہ تہجد ہو گی۔ اب وہ دو پڑھے، چھ پڑھے، یا آٹھ پڑھے، وہ فقہی اعتبار سے تہجد ہی شمار ہو گی۔

تین برتنوں کا انتظام:

سونے سے قبل ایک اور چیز بھی سنت ہے۔ امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے لیے تین ڈھکے ہوئے برتنوں کا انتظام کیا کرتی تھی:

1 إِنَاءٌ لِطَهُوْرِہٖ

ایک برتن وضو کے لیے۔ یعنی ایک برتن میں پانی ہوتا تو وہ اس کو ڈھک دیتی تھیں۔

2 وَإِنَاءٌ لِسِوَاكِهٖ

دوسرا برتن مسواک کے لیے۔ یعنی مسواک رکھنے کے لیے الگ سے برتن ہوتا اور اس کو ڈھک دیا جاتا تھا۔

3 وَإِنَاءٌ لِشَرَابِهٖ. (سنن ابن ماجہ: رقم 3411)

تیسرا برتن پینے کے پانی کا ہوتا۔ جیسے آج کل کے زمانے میں یہ بوتلیں ہوگئیں، جگ ہوگیا، کولر ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ رات کو پینے کا پانی اپنے قریب رکھ کر سونا بھی سنت عمل ہے۔

میاں بیوی کی محبت:

یہ خاوند اور بیوی کی محبت کی باتیں ہیں کہ خاوند کو رات کو تکلیف نہ ہو۔ رات کو خاوند کو پیاس لگے تو وہ کسی وقت بھی اُٹھ کر پانی پی لے۔ اور اس میں صرف پانی اور مسواک کی بات نہیں ہے، اس میں وہ تمام چیزیں ہیں جو تہجد میں یا صبح اُٹھنے کے بعد شوہر کو ضرورت ہو۔ رات کو ہی بیوی اگر سارے انتظام کر دے تو وہ حسنِ انتظام کہلائے گا۔ شوہر نے صبح اٹھ کر کام پر جانا ہے، عبادت میں لگنا ہے تو اس وقت اس کا وقت ضائع نہ ہو کہ چابی کہاں پڑی ہے؟ پانی کہاں ہے؟ یہ کہاں ہے؟ وہ کہاں ہے؟ جیسے ہمارے گھروں میں صبح ایمرجنسی لگی ہوتی ہے، اس لیے رات کو ہی کام سمیٹ لیے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ خاوند کو رات کو پیاس لگے تو پانی موجود نہ ہو۔ میں نے اپنی نئی والدہ کو دیکھا الحمد للہ! وہ تھرموس میں گرمیوں میں بھی سارا سال پانی رکھتی ہیں کہ دیر تک ٹھنڈا رہے۔ فریج

کمرے میں نہیں ہے، دور ہے تو وہ تھرموس میں رکھ لیتی ہیں۔ بھئی یہ خدمت محبت ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

آج کل کی جلد بازی:

امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صبح بیدار ہوتے، قضائے حاجت فرماتے، پھر مسواک فرماتے۔ اور آج ہم صبح اُٹھتے ہیں تو سب سے پہلے موبائل فون دیکھتے ہیں کہ کسی کا میسج تو نہیں آیا ہوا۔ علمائے کرام نے فرمایا کہ نماز، وضو اور اپنے کاموں میں لگنے سے پہلے ہمیں چاہیے کہ قضائے حاجت سے فارغ ہو جائیں تاکہ اطمینان، سکون اور تسلی کے ساتھ ضروریات ادا کرسکیں۔ بعض لوگ اُٹھتے ہیں اور جلد بازی کے اندر اِدھر اُدھر کے کام کرتے ہیں، واش روم نہیں جاتے کہ دیر ہو رہی ہے۔ جتنی دیر نہیں جاتے اتنی دیر پریشانی میں رہتے ہیں۔ سنتِ مبارکہ یہ ہے کہ جب انسان اٹھے تو قضائے حاجت سے فارغ ہو، پھر باقی کاموں میں مشغول ہو۔

عشاء کے بعد ناپسندیدہ عمل:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ عشاء کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً سو جاتے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے سونے، اور عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد جاگنے اور باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری: رقم 586، صحیح مسلم: رقم 647)

یعنی عشاء کی نماز کے فوراً بعد جلد از جلد انسان سو جائے۔ ہاں! اگر دین کی ضرورت کا کوئی کام ہو تو الگ بات ہے۔ ورنہ غیر ضروری بیٹھنا، فیس بک پہ، واٹس اَپ پہ، اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں پسند نہیں کیا گیا۔ جس دین کا کلمہ ہم پڑھتے ہیں، جس نبی کا

کلمہ ہم پڑھتے ہیں انہوں نے بھی اس کو پسند نہیں فرمایا یا قاعدہ منع فرمایا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے بیدار ہونے کا وقت:

امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور پاک ﷺ رات کو اس وقت بیدار ہوتے جب مرغا بانگ یعنی اذان دیا کرتا ہے۔ (صحيح البخاري: باب من نام عند السحر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مرغا آدھی رات سے کچھ پہلے یا آدھی رات کے کچھ بعد اذان دیتا ہے۔ حافظ ابنِ حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ مرغا آدھی رات گزرنے کے بعد اذان دیتا ہے۔ علامہ ابنِ بطال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آدھی رات نہیں بلکہ ایک تہائی رات گزرنے کے بعد اذان دیتا ہے۔ علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ آدھی رات یا اس سے کچھ پہلے اُٹھ جاتے۔ یعنی اتنے وقت میں آرام مکمل کر لیتے پھر اُٹھ کر اللہ کی عبادت میں لگ جایا کرتے تھے۔

رات میں کتنی دیر سونا مسنون ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ آدھی رات آرام فرماتے، پھر اُٹھ جاتے اور کچھ عبادت کرتے، تہجد پڑھتے، تلاوت کرتے، دعائیں مانگتے، اور اس کے بعد فجر سے کچھ پہلے دوبارہ آرام فرماتے، پھر جیسے ہی فجر کی اذان ہوتی تو آپ ﷺ فوراً بیدار ہو جاتے تھے۔ اس لیے مسنون اور احسن ترتیب یہ ہے کہ انسان عشاء کے فوراً بعد سو جائے اور آدھی رات یا تہائی رات کے وقت اٹھے۔ جتنا آسانی سے ہو عبادت کرے، تہجد پڑھے، وتر پڑھے، دعائیں مانگے اور کچھ معمولات کرے اور پھر سو جائے اور پھر فجر کے لیے دوبارہ اُٹھے۔ نبی کریم ﷺ کی تہجد بین النومین ہوتی تھی یعنی دو نیندوں کے درمیان۔ اور آج ہمارا یہ حال ہے کہ اوّل تو

فجر ہی ہوتی نہیں، اور اگر کوئی پڑھتا بھی ہے تو اس کی فجر کی نماز بین النومین ہوتی ہے۔ لیکن بہر حال یہ بھی غنیمت ہے کہ فجر پڑھ لیتے ہیں، کیوں کہ جس نے فجر کی نماز قضا کر دی اس کی زندگی سے برکت ختم ہوگئی۔ ہم یہ بات مانتے بھی ہیں، جانتے بھی ہیں، بس عمل میں لانا مشکل ہے۔ اس لیے رات کو جب انسان جلدی سوئے گا تو تہجد میں اٹھنا اس کے لیے آسان ہوگا۔

حضرت اَسود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی عبادت کا کیا معمول تھا؟ امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شروع رات میں سو جاتے، اور اخیر رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو جاتے، پھر تہجد کی نماز ادا کرتے، پھر جب عبادت سے فارغ ہو جاتے تو بستر پر تشریف لاتے (اور آرام فرماتے) پھر جیسے ہی اذان سنتے تو بڑی تیزی سے اٹھتے، اگر غسل کی ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرما کر نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

(صحیح بخاری: رقم 1095)

یعنی آخری شب میں عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ انسان کی ضروریات اپنی جگہ، مگر جس نے پیدا کیا ہے اس سے تعلق کا کیا حال ہے؟ آج کس کے پاس اس کا جواب ہوگا۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم ضرورت کو ہی سب کچھ بنا لیتے ہیں، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ایسی ترتیب نہیں تھی۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بندوں کے حقوق بھی ادا فرماتے، اور رات کی تنہائی میں اپنے اللہ کے سامنے قیام فرماتے تھے۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز اور قراءت کے بارے میں پوچھا تو اماں جان رضی اللہ عنہا فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد پڑھتے پھر سو جاتے اور اسی قدر آرام فرماتے جس قدر نماز پڑھتے تھے۔ پھر نماز پڑھتے بقدر اس وقت کے جس

میں آرام فرمایا، پھر آرام فرماتے بقدر اس وقت کے جس میں نماز پڑھی، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ (مسند ابن مبارک: رقم 57)

یعنی اگر آٹھ گھنٹے کی رات ہے تو چار گھنٹے عبادت اور چار گھنٹے آرام فرماتے۔ اور اگر دس گھنٹے کی رات ہے تو پانچ گھنٹے عبادت اور پانچ گھنٹے آرام فرماتے۔ نبی کریم ﷺ کی عام عادتِ شریفہ یہی تھی کہ عشاء کے فوراً بعد سو جاتے اور آرام فرماتے، پھر آخر شب میں تہجد ادا فرماتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ عشاء کی نماز مسجد میں ادا فرما کر گھر تشریف لاتے اور نماز میں مشغول ہو جاتے اور پھر عبادت کر کے آرام فرماتے۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مشہور روایت (جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی خالہ اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزارتے ہیں، اور نبی کریم ﷺ کے رات کے اعمال کو غور سے دیکھتے ہیں) میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

تہجد کا اہتمام کیجیے

یہ بات یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ شب بیداری کو اور تہجد کو کبھی ترک نہ فرماتے۔ اگر تکلیف، بیماری یا تھکن ہوتی تو آپ ﷺ بیٹھ کر تہجد ادا فرما لیتے لیکن کبھی ناغہ نہ کرتے۔ ویسے تو تہجد نفل نماز ہے، لیکن سالکینِ طریقت یعنی جو بیعت ہو جاتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اس کو اپنے اوپر لازم قرار دیں۔ کیوں کہ تہجد کا وقت وہ وقت ہے جس میں ولایت تقسیم ہو رہی ہوتی ہے۔ جتنے بھی دنیا کے اندر اولیاء گزرے ہیں، کوئی ایسا نہیں جس نے تہجد کی نماز پر مداومت اختیار نہ کی ہو۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ کسی نے ان کو انتقال کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا گزری؟ فرمایا کہ وہ تمام اَسرار و رموز کشف اور معرفت کی جو باتیں تھیں سب پیچھے رہ گئیں، تہجد

ہی کام آئی۔ یعنی تہجد کام آنے والی چیز ہے۔ قیامت کے دن اندھیروں میں کام آئے گی۔ یہاں ہم اس کی عادت بنائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بغیر تہجد کے رات نہیں گزارتے تھے۔

کوئی یہ کہتا ہے کہ میں تہجد نہیں پڑھتا۔ اسے ہم سمجھاتے ہیں کہ یہ وقت تو اللہ تعالیٰ کے دینے کا وقت ہے۔ اللہ اپنے مقرب بندوں کو اس وقت میں عطا فرماتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ہٹ دھرمی دکھائے تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ چاہتے ہوں کہ میں اس کی شکل اس وقت نہیں دیکھنا چاہتا جس وقت میں اپنے پیاروں کو نوازتا ہوں۔ یعنی یہ وقت اللہ پاک کے دینے کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ کو منانے اللہ کے پیارے کھڑے ہوتے ہیں۔ خدانخواستہ کوئی فیس بک پہ بیٹھا ہے، انٹرنیٹ پہ بیٹھا ہے اور رات گزرتی جارہی ہے، اور پھر یہ سو جاتا ہے مگر اسے کوئی احساس نہیں ہوتا تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی شکل ہی نہ دیکھنا چاہتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔ کتنے ایسے نوجوان جو کہتے ہیں کہ آج ہم نے ساری رات جاگنا ہے۔ ساری رات جاگنے والے جب تہجد کا آخری وقت آتا ہے تو سو جاتے ہیں کہ اللہ کے پیاروں کے اٹھنے کا وقت قریب آجاتا ہے تو اللہ ان غدّاروں کو سلا دیتے ہیں۔

ہے کوئی مانگنے والا جسے میں عطا کروں

حضرت جی حضرت شیخ حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم صحیح مسلم کی ایک حدیث سناتے ہیں۔ حضرت جی دامت برکاتہم سے کئی دفعہ سنی کہ جب ایک تہائی رات یا دو تہائی رات گزر جاتی ہے یعنی تہجد کے وقت، تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں (جیسا کہ اس کی شان ہے) اور یہ فرماتے ہیں کہ ہے کوئی مانگنے والا کہ اس کو

عطا کیا جائے؟ ہے کوئی دعا مانگنے والا جس کی دعا قبول کی جائے؟ ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا جس کی مغفرت کر دی جائے؟ (یہ آواز لگتی رہتی ہے) یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: باب الترغیب في الدعاء والذکر في آخر اللیل)

فرشتوں کی تین جماعتیں:

خطباتِ فقیر کی پانچویں جلد میں ہے کہ جس وقت اس پیار کا، محبت کا وقت آتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی تین جماعتیں بنتی ہیں:

1 تھپکیاں دے کر سلانے والی جماعت:

اللہ تعالیٰ ایک جماعت کو بھیجتے ہیں کہ یہ میرے پیاروں کے اُٹھنے کا وقت ہے، میرے پیارے مجھ سے میری رضا مانگنے لگے ہیں۔ تم جاؤ، یہ سارے لوگ جو نامحرموں کے ساتھ موبائل پر کر و بات ساری رات، اور اِدھر اُدھر فضول باتوں میں لگے ہوئے ہیں ان کو جا کر سلا دو۔ ان موبائل فونز پر، انٹرنیٹ پر، حرام کام کرنے والوں کو سلا دو۔ میں ان کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ فرشتے آتے ہیں اور ان کو سلا دیتے ہیں۔

2 پَر مار کر جگانے والے فرشتے:

دوسری جماعت کو بھیجا جاتا ہے کہ جاؤ، فلاں فلاں میرے پیارے بندے ہیں، اُن کو پَر مار کر جگا دو۔ دنیا میں بھی تو محبوب کو میسج بھیجے جاتے ہیں۔ گویا کہ ان مقرّبین کو اللہ ربّ العزّت کی طرف سے میسج آتا ہے۔ فرشتے آتے ہیں اور ان کو پَر مار کر جگا دیتے ہیں۔ پھر لوگ اٹھتے ہیں، وضو کرتے ہیں، پھر اللہ کو منانے میں لگ جاتے ہیں۔

3 مقرّبین کی کروٹ بدلنے والے فرشتے:

تیسری جماعت فرشتوں کی جس کو اللہ ربّ العزّت بھیجتے ہیں۔ اُن سے فرماتے ہیں

کہ جاؤ، جو لوگ میرے مقربین میں سے ہیں اُن کی جا کر کروٹ بدل دو، وہ چاہیں گے تو اُٹھ کر نماز پڑھیں گے، تلاوت کریں گے، اور مجھ سے مانگیں گے۔ اور چاہیں گے تو لیٹے رہیں گے۔ میں جس طرح اُن کی عبادت سے راضی ہوں، اسی طرح اُن کے سو جانے پر بھی راضی ہوں۔

مقربین کون لوگ ہیں؟

یہ لوگ کون ہیں؟ یہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول بندے ہوتے ہیں اور یہ دن رات اللہ کے دین کا کام کیا کرتے ہیں۔ ان کا دن بھی عبادت ہوتا ہے اور ان کی راتیں بھی عبادت ہوتی ہیں۔ ان کا سونا بھی عبادت ہے۔ یہ سوتے کیوں ہیں کہ آرام کر لیں، صحت کو، اپنی طبیعت کو ٹھیک کر لیں تا کہ پھر سے اللہ کے دین کا کام شروع کریں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے آپ نے گھر میں ترکھان کو بلایا اور ترکھان نے کام کرتے ہوئے کہا کہ میری آری خراب ہوگئی ہے، مجھے ایک گھنٹہ لگے گا اس کو صحیح کروالوں؟ اب چاہے دو گھنٹے لگیں، آپ کہیں گے کہ کروالو۔ پھر رات کو وہ ترکھان اپنی مزدوری لینے آیا تو آپ دو گھنٹے اس کے کاٹتے نہیں ہیں کہ دو گھنٹے تو آری ٹھیک کرواتا رہا، اوزار ٹھیک کرواتا رہا۔ اَوزار کا ٹھیک ہونا اس کے کام کا حصہ ہے۔ اسی طرح جو لوگ دن رات اللہ کے دین کا کام کرتے ہیں نیند ان کے لیے، ان کی زندگی کو ٹھیک رکھنے کا کام کرتی ہے۔ اس لیے ان کا سونا بھی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو عبادت میں لکھ رہے ہوتے ہیں۔

دل کی بات:

جو ساتھی بیعت ہوتے ہیں، میری خواہش یہی ہے کہ وہ رات کو اُٹھ کر تہجد پڑھیں۔ 5 نمازیں تو پڑھنی ہی پڑھنی ہیں اس میں تو کوئی کمپرومائز نہیں۔ ساتھ میں تہجد بھی

پڑھیں۔ اور تہجد پڑھنا آسان ہے، مشکل نہیں۔ انسان رات کو اُٹھ کر نماز پڑھے، لیکن اگر خطرہ ہو کہ سو گئے تو پھر اُٹھنا نہیں ہوگا تو پھر تہجد پڑھ کر سو جائے تا کہ تہجد گزاروں میں شامل ہو جائے۔ جس شخص نے عشاء کی نماز فرض، سنت، وتر وغیرہ ادا کر لیے وہ تہجد کی نماز ادا کر لے۔ سونا شرائط میں سے نہیں ہے۔ ہاں! نبی کریم ﷺ کے دورِ مبارک میں طریقہ یہ تھا کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عشاء کے فوراً بعد سو جایا کرتے اور رات کو اُٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اور یقیناً مسنون یا مستحب بھی یہی ہے۔

اور بعض تو ساری رات اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے رہتے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے 40 سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ آج ہماری کمزوری کا کیا عالَم ہے، اپنا محاسبہ خود کر سکتے ہیں۔ لیکن کم از کم اتنا تو کریں کہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد دو رکعت تہجد کی نیت سے پڑھ لیں۔ رات کو آنکھ کھل گئی اور مزید کی توفیق مل گئی تو وہ بونس رہا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے جیسے ایک بینک ہے۔ بینک کے منیجر نے اپنے اکاؤنٹ کلرک کو کہا کہ دیکھو بھئی! سارے اکاؤنٹ ہولڈرز کی لسٹ لے آؤ۔ جب وہ لسٹ لے کر آتا ہے تو اس میں ایسے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جن کے اکاؤنٹ میں کروڑوں روپے ہوتے ہیں۔ اور اسی لسٹ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے اکاؤنٹ میں 5، 10 یا 20 ہزار یا اس سے بھی کم روپے ہوتے ہیں۔ لیکن جب اکاؤنٹ ہولڈرز کی لسٹ منگوائی گئی تو ملین ائر، بلین ائر بھی اس میں شامل تھے اور یہ سینکڑوں والے بھی شامل تھے۔

اگر ہم نے عشاء کی نماز کے بعد تہجد کی پابندی شروع کر دی۔ 2 رکعت، 4 رکعت، 6 یا 8 رکعات پڑھنی شروع کر دیں تو قیامت کے دن جب آواز لگے گی کہ تہجد پڑھنے والے کہاں ہیں؟ تو چلو ہم پیچھے کسی لائن میں ضرور کھڑے ہوں گے۔ اور یہ مشکل

نہیں ہے، آسان ہے۔ ہاں! جو اگلا درجہ چاہتے ہیں، ترقی چاہتے ہیں وہ پھر آہستہ آہستہ کوشش کریں کہ کبھی مہینے میں ایک دفعہ یا ہفتے میں ایک دفعہ رات کو اُٹھ کر پڑھ لیں۔ جب یہ کوشش ہم شروع کر دیں گے تو آہستہ آہستہ ہمیں وہ موقع مل جائے گا کہ ہماری زندگی تہجد سے آباد ہو جائے گی۔ کوشش کرنے اور مانگنے سے سب کچھ مل جاتا ہے۔

وتر کی نماز کب پڑھی جائے:

نبی کریم ﷺ کی عادتِ مبارکہ اکثر تو یہی تھی کہ آپ ﷺ رات کو اٹھ کر پڑھتے تھے۔ لیکن کبھی شروع رات میں یعنی نمازِ عشاء کے بعد، کبھی درمیانی رات میں اور کبھی اخیر رات میں بھی پڑھا کرتے تھے۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں بڑے صحابہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وتر کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو بستر پر آنے سے پہلے وتر کی نماز ادا فرماتے، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کو دیر سے اُٹھ کر تہجد کے وقت میں پڑھتے تھے۔ گویا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ احتیاط پر عمل کرتے تھے، اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ عزیمت پر عمل کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عشاء کے ساتھ پڑھ لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُٹھ نہ سکوں، اور کہیں موت ہی آجائے اور وتر باقی رہ جائیں۔ انہوں نے اپنی طبیعت کی وجہ سے احتیاط پر عمل کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی طبیعت کی وجہ سے عزیمت پر عمل کیا کہ میں رات کو اُٹھوں گا اور وتر پڑھوں گا۔

ہمارے لیے دونوں راستے کھلے ہیں۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ رات کو اٹھ کر آپ تہجد پڑھ لیں گے، غالب گمان ہے اور اس کے حالات بھی ہیں کہ آپ سو جلدی گئے۔ جو رات کو سوئے دو بجے اور سوچے کہ بھئی میں چار بجے اٹھ کر پڑھ لوں گا تو یہ بیوقوفی کی بات

ہوگی الا ماشاء اللہ۔ عام حالات کی بات کرر ہاہوں۔ اگر انسان وقت پر سور ہا ہے تو پھر تو اٹھنا آسان ہے۔ آپ وتر اخیر رات میں پڑھ سکتے ہیں افضل ہے، لیکن قضا نہ ہو جائے اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ بہر حال بات یہ چل رہی ہے کہ ہم اگر تہجد کی پابندی شروع کریں گے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تہجد گزاروں میں ہمارا نام ہوگا۔ یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔ یہ اللہ ربّ العزّت کا بہت بڑا اِنعام ہے۔ ہم ہمت اور کوشش کریں اللہ تعالیٰ آسانی والا معاملہ فرمادیں گے۔ نیند بھی کرنی ہے، آرام بھی کرنا ہے لیکن تہجد بھی پڑھنی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت:

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تہجد کی نماز فرض تھی، لیکن عام مسلمانوں کے لیے فرض نہیں کیوں کہ یہ نفل ہے لیکن اس کا فائدہ بڑا پیارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآن مجید میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تہجد کی نماز ادا کرنے کے لیے فرمایا، وہیں آگے یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود تک پہنچائے گا۔ علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تہجد کی پابندی سے مقامِ محمود ملے گا یعنی وہ منصب جس کے تحت آپ کو شفاعت کا حق دیا جائے گا۔ اور جو تہجد کی پابندی کریں گے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت مل جائے گی۔ تہجد کی نماز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا مل جانا اور بھی آسان ہو جائے گا۔ ہم اس کی کوشش کریں۔

اوقات کو تقسیم کریں:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے دل میں آیا کہ میں نے آج کے بعد کبھی سونا ہی نہیں، ہمیشہ راتوں کو جاگنا ہے۔ تہجد پڑھنی ہے، ساری ساری رات عبادت کرنی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتا چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سمجھایا اور فرمایا کہ دیکھو! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا

ہوں، تم سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہوں، آرام بھی کرتا ہوں، بیوی کا حق بھی ادا کرتا ہوں اور تہجد بھی پڑھتا ہوں۔ جو میری سنت سے اعراض کرے، اس کا مجھ سے تعلق نہیں۔

(صحیح بخاری: رقم 4776)

رات کو آرام بھی کرنا ہے، بیوی کا حق بھی ادا کرنا ہے، اور تہجد کی نماز بھی پڑھنی ہے۔ اپنے اوقات کو تقسیم کرنا ہے۔

گھر والوں کو وقت دیں:

سوشل لائف گزارنی ہے تو بیوی بچوں کے ساتھ گزاریں، نامحرموں کے ساتھ نہیں۔ کتنے ایسے مرد ہیں جن کے شب و روز کہاں گزرتے ہیں؟ کن کے پاس گزرتے ہیں؟ خواہشاتِ نفس میں نامحرموں کے پاس بیٹھے ہیں، دن گزار رہے ہیں، راتیں گزار رہے ہیں۔ کیا جواب دیں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو؟ اس لیے بیوی بچوں کو وقت دیں۔ قیامت کے دن یہ پوچھ ہوگی کہ بیوی کے ساتھ کیسے رہے؟ مال کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا؟ کن پر مال لٹایا ہے؟ نبی کریم ﷺ کی سنتوں کو ہم سمجھیں اور عمل میں لائیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

نبی کریم ﷺ کس پر سوتے تھے؟

نبی کریم ﷺ رات کو کس پر سوتے تھے؟ یعنی آپ ﷺ کے آرام کے لیے کیا چیز میسر تھی؟ نبی ﷺ کے اُمتی کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے نبی کی سنت کو جانیں۔

نبی کریم ﷺ مختلف انداز سے آرام فرمایا کرتے تھے۔ یعنی کوئی خاص چیز مخصوص نہیں تھی۔ کبھی تو نبی کریم ﷺ کھجور کے درخت کی چھال سے بنی ہوئی چارپائی پر آرام فرماتے، اور چارپائی پر اکثر بلا بستر کے آرام فرماتے۔ کبھی چارپائی کے اوپر بستر

کمبل یا چادر کی شکل میں ہوتا تو اس پر آرام فرماتے (نرم بستر کو نبی کریم ﷺ نے پسند نہیں فرمایا)۔ کبھی چمڑے کے ٹکڑے پر آرام فرماتے، کبھی چٹائی پر جو بسا اوقات کھجور کی چھال کی بنی ہوتی۔ اور کبھی سیاہ چادر پر۔ اور کبھی نہ بستر ہوتا، نہ چٹائی ہوتی فقط زمین یا ریت پر آرام فرما لیتے۔ نبی کریم ﷺ کی سادگی اور تواضع یہ ہوتی۔ تاہم زیادہ تر نبی کریم ﷺ چار پائی پر آرام فرماتے۔ اور اکثر اوقات اس چار پائی پر بستر بھی نہ ہوتا جس سے جسم اطہر پر چٹائی کی بنائی کے نشانات نمایاں ہو جاتے۔ گدے دار نرم بستر نبی کریم ﷺ کو بالکل گوارا نہ تھا اور کبھی آپ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا تھا۔ کبھی تکیہ ملا تو تکیے پر آرام فرما لیا، نہیں تو ہاتھ کا ہی تکیہ بنا لیا۔

یعنی جو چیز مل جاتی اسی پر گزارا کر لیتے۔ آج کے مرد اگر ایسے ہو جائیں تو گھر والوں کو کتنی سہولت ہو۔ عورتیں اگر ایسی ہو جائیں تو مردوں کو کتنی سہولت ہو۔ جو چیزیں انسان کو اللہ تعالیٰ نے دی ہیں، انسان انہیں استعمال کرے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

چار پائی کیسی تھی؟

امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس ایک چار پائی تھی جس کے پائے ساگوان کی لکڑی کے تھے اور آپ ﷺ اسی پر آرام فرماتے تھے۔

(فتح الکریم الخالق: حرف الجیم)

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے لیے اعتکاف کی حالت میں مسجد نبوی میں چار پائی لگائی جاتی تھی۔ ریاض الجنۃ میں جو ستونِ توبہ ہے، اس کے سامنے ایک ستون ہے اسطوانہ سریر اس پر لکھا ہوا ہے۔ سریر کہتے ہیں چار پائی کو۔ نبی کریم ﷺ کی چار پائی اعتکاف کے وقت وہاں لگا کرتی تھی، اسی وجہ سے اس ستون کو اسطوانہ سریر کہتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ جو خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی چارپائی پر تھے جو کھجور کے پتوں اور شاخوں سے بنی ہوئی تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کے نیچے ایک چھوٹا سا چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک اور چارپائی کے درمیان کوئی اور کپڑا نہیں تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چمکتے بدن مبارک پر چارپائی کی رسیوں کے نشانات دیکھے تو اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آگے لمبی حدیث ہے۔ (الادب المفرد للبخاری: رقم 1145)

تکیہ کو اُون سے بھی بھر سکتے تھے کہ وہ ذرا نرم ہوتا ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کی چھال سے بھروایا تھا۔

امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قریشِ مکہ کے لوگوں کو زمین کی بہ نسبت چارپائی پہ سونا بڑا پسند تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابو ایوب! کیا تمہارے پاس کوئی چارپائی نہیں ہے؟ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی چارپائی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے۔ خیر ایک صحابی حضرت اَسعد بن زُرَارَہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ میرے نبی کو اس چیز کی ضرورت ہے تو انہوں نے چارپائی بنوا کر بھیج دی جس کے پائے ساگوان کے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی کے آخری وقت تک اسی چارپائی کو استعمال فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازِ جنازہ بھی اس طرح ادا کی گئی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدن مبارک اس چارپائی پر تھا۔

حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تبرکاً اپنے جنازے اس چارپائی پر رکھ کر لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو بھی اسی چارپائی پر ہی مقبرہ تک یعنی روضہ مبارک تک لے جایا گیا۔

(انساب الاشراف من المکتبۃ الشاملۃ)

یہ وہ نبی ہیں کہ اگر حکم دیتے تو سونے اور چاندی کے پہاڑ ساتھ میں چل سکتے تھے۔ لیکن مشقت کو اختیار کر کے اُمت کو تعلیم دی کہ یہ دنیا اور اس کا عیش حقیقی نہیں ہے۔ ہمارے ہاں کھجور کی چھال سے بنی چٹائی ملتی ہے۔ اور پلاسٹک کی بھی ملتی ہے۔ جو مستقل پلنگ پر سونے والے ہیں، کبھی اتباعِ سنت کی نیت سے چٹائی پر بھی سوئیں اِن شاء اللہ اجر ملے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا آپ ﷺ کھجور کی چٹائی پر بغیر کسی چادر بچھائے لیٹے ہوئے تھے اور چٹائی کا اثر یا نشان آپ ﷺ کے جسم مبارک سے ظاہر ہو رہا تھا۔ جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو میں آپ ﷺ کے جسم مبارک پر ہاتھ پھیرنے لگا اور نشانات مٹانے لگا۔ میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ سونے سے قبل مجھے حکم دیتے تو میں آپ ﷺ کے لیے بستر بچھا دیتا، چٹائی کے اوپر کوئی کمبل یا کوئی چیز رکھ دیتا تاکہ نشانات نہ پڑتے اور آپ ﷺ کو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہ! مجھے دنیا سے کیا مطلب؟ میری مثال تو صرف اس چلنے والے مسافر کی سی ہے جو کسی درخت کے سائے میں تھوڑی دیر آرام کے لیے رک جائے اور آرام کر کے آگے چل دے۔

(سنن ترمذی: ابواب الزھد، باب)

یعنی دنیا کی زندگی تو ایسی ہے کہ ہم آئے تھوڑی دیر کا وقت یہاں گزارنا ہے پھر اگلی

زندگی کے لیے چلے جانا ہے۔ پھر اتنی تھوڑی سی دیر آرام کے لیے ہمیں محل بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ اتنی آرام پسندی کی کیا ضرورت ہے جو ہمیں دین سے دور کر دے۔

ایک مرتبہ ہماری ایک ماں حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر کو راحت کے لیے چوہرا کر دیا۔ دوتیہ کو چار کر دیا کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچھی طرح آرام ملے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اگلی صبح ہی پوچھا:

ما فرشتم لي الليلة؟

ترجمہ: ''رات کو تم نے میرے لیے کیا بچھایا تھا؟''

اماں جان رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

هو فراشك

ترجمہ: ''آپ ہی کا بستر ہے، بس ذرا اسے چوہرا کر دیا تھا تا کہ آرام ملے''۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ردوه لحالته الأولى. (الشمائل المحمدية للترمذي: رقم316)

ترجمہ: ''اسے پھر ویسے ہی کر دو جیسے تھا''۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمالِ تواضع تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سادہ زندگی کو پسند کیا۔ باوجود وسعت اور فراوانی کے سادگی کو اختیار کیے رکھا۔ آج امت بلکہ امت کے اہم افراد بھی اس سنت کو چھوڑے چلے جا رہے ہیں۔ عیش اور عیش کی زندگی میں گزرتے چلے جا رہے ہیں۔ بہر حال اچھے بستر پر سونے کی گنجائش ہے، اجازت ہے لیکن ایسا سونا کہ انسان بس سو ہی جائے اور سونے میں نمازوں کو کھو دے تو ایسا سونا چاہے چٹائی پہ ہو، بستر پہ ہو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ نماز قضا کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اللہ پاک ہمیں صحیح

سمجھ عطا فرمائے آمین۔

مسجد میں سونا:

اگلی بات مسجد میں لیٹنے اور سونے سے متعلق ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد میں چت (یعنی سیدھے) لیٹے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک پاؤں مبارک کو دوسرے پاؤں مبارک پر رکھے ہوئے تھے۔ (سنن ترمذی: رقم 2765)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد میں بار بار کروٹ بدلتے ہوئے دیکھا (غالباً بھوک کی شدت میں ایسا فرما رہے ہوں گے۔ آگے حدیث میں اس جانب اشارہ ہے) اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھوک کی حالت میں ہیں۔ (صحیح مسلم: رقم 2040)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں غیر شادی شدہ نوجوان تھا، اور میں مسجدِ نبوی میں سویا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری: رقم 429)

اس سے نوجوانوں کو کیا سبق ملتا ہے کہ کرکٹ اور بُرے دوستوں کو چھوڑ دیں، مسجد میں، نیک لوگوں میں، نیک ماحول میں اپنے وقت کو گزاریں۔ آج 6 گھنٹے کرکٹ دیکھنا آسان، ساری رات جاگنا آسان، لیکن دو رکعت فجر کی نماز پڑھنا مشکل ہے۔ اگر یہ نوجوان اپنی جوانی کو پاکدامن رکھنا چاہتے ہیں تو یہ بُرے دوستوں کو چھوڑ دیں، ورنہ قیامت کے دن ذلت اور رسوائی ان کا مقدر بن کر رہے گی۔ گناہ یہاں تو چھپ جائے گا، کسی کو پتا نہیں چلے گا، مگر وہ جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے اس سے کچھ چھپا نہیں سکتے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نوجوانی میں مسجد میں وقت گزارا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں

اس بات کی سمجھ عطا فرمائے۔

مذکورہ بالا روایت میں آگے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بہن تھیں، سے فرمایا کہ عبداللہ تو بڑا نیک آدمی ہے کاش! یہ رات کو نمازیں زیادہ پڑھا کرے۔ حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کثرت سے رات کے وقت عبادت کرتے اور بہت کم سوتے تھے۔

مسجد میں ضرورت کے تحت رہا جا سکتا ہے۔ کوئی مسافر ہے، یا تبلیغی جماعت والے ساتھی ہیں، معتکف ہیں تو ان حضرات کے لیے سونا ٹھیک ہے۔ یا ایسے نوجوان جو کثرت سے عبادت کرنے والے ہوں، گھنٹوں مسجد میں رہیں، عبادت بھی کریں تو پھر ٹھیک ہے، سو بھی جائیں تو اس کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مسافر تھے، ان کا اپنا مکان کوئی نہیں تھا۔ یہ نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ جب خدمت سے فارغ ہو جاتے تو مسجد میں چلے آتے اور مسجد میں لیٹ جاتے اور آرام کرتے گویا کہ مسجد ہی ان کا گھر تھا۔ اسی وجہ سے انہیں قطّان مسجد نبوی کہا جاتا ہے یعنی مسجد نبوی کے کھونٹے۔ (الحلیة لأبي نعیم: ذكر أهل الصفة)

اصحابِ صُفّہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے، مدینہ میں ان کے گھر نہیں تھے۔ نبی کریم ﷺ انہیں مسجد میں سونے کی اجازت دیا کرتے تھے۔ لیکن اس کے علاوہ عام حالات میں مسجد میں سونے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسجد کو قبرستان مت بناؤ۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز کے ارادے سے سوتا ہو تو اس میں حرج نہیں ہے۔

(کنز العمال: 23114/8)

مثلاً دوپہر کو کام کرتے نیند آ گئی چلو ایک گھنٹہ مسجد میں جا کر سو آئیں۔ یا رات کو گھر میں گرمی لگ رہی ہے، لائٹ گئی ہوئی ہے تو چلو مسجد میں کھلا صحن ہو گا وہاں جا کر لیٹ آئیں۔ اس طرح سے جانا مناسب نہیں ہے۔ مسجد کی حرمت کے خلاف ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ معتکف ہے، مسافر ہے، کوئی مسجد کے اندر معاملہ ہے، کوئی عبادت کرنی ہے، دین سیکھنا ہے، سکھانا ہے تو چند مخصوص وجوہات ہیں۔ عام حالات کے اندر صرف اس لیے جانا کہ ذرا تھوڑی دیر کمر ٹکا لوں، آرام کر لوں تو یہ چیز مناسب نہیں، مسجد کے آداب کے خلاف ہے۔

سفر میں سونا:

سفر میں نبی کریم ﷺ کے آرام کرنے کا طریقہ بھی صحابہ کرام سے منقول ہے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر کی حالت میں رات کو سوتے تو اپنی عادت کے مطابق دائیں کروٹ پہ سویا کرتے، اور صبح کے قریب کسی مقام پر قیام فرماتے تو دائیاں بازو کھڑا کر کے ہتھیلی پر سر مبارک رکھتے تھے۔ (صحیح مسلم: رقم 683)

مفہوم یہ ہے کہ جب سفر میں رات آ جائے اور مسافر تھکا ہوا سے آرام چاہیے تو ریلیکس ہو کر اپنی روٹین سے سو جائے۔ اور اگر رات میں سفر کرتے کرتے فجر کا وقت قریب آ جائے اور آدمی کو تھکاوٹ محسوس ہوتی ہو تو پھر اس طرح مطمئن ہو کر نہ سوئے کہ فجر کی نماز قضا ہو جائے، بلکہ اس طرح سے لیٹے کہ نماز کا وقت ہوتے ہی اُٹھ سکے۔ فجر کے قریب وقت میں نبی کریم ﷺ مکمل آرام نہیں فرماتے تھے۔ آپ ﷺ لیٹتے اور کہنی کو زمین پر لگا کر اپنا سر مبارک کو ہتھیلی پر ٹکا لیتے۔ جیسے ہماری زبان میں کہتے ہیں کہ ذرا کمر سیدھی کر لیں۔ یعنی تھکن وغیرہ دور ہو جائے اور نیند

زیادہ نہ آئے۔ ایسا اہتمام کرلے کہ فجر کی نماز قضا نہ ہو۔ وہ ایمان والا ہی کیا ہوا کہ جس کی فجر کی نماز قضا ہو جائے۔ جو ایمان ہمیں فجر کے لیے نہیں اُٹھا سکتا وہ ہمیں جنت میں کیسے لے کر جائے گا؟ سوچنے کی بات ہے۔ ہمارا ایمان اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ فجر کے لیے اٹھنا مصیبت ہو گیا۔ اگر فجر کے لیے بھی ہم نہیں اُٹھ سکتے تو ہماری زندگی کا کیا حاصل۔ ہمیں اس کے لیے محنت اور کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔

سونے والے کو کب جگانا چاہیے:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب سوتے تو ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جگاتے نہیں تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود ہی اُٹھتے تھے، اس لیے کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ نیند میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کیا بات پیش آ رہی ہے (نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو خوب سمجھنے والے تھے۔ اللہ اکبر)

(صحیح بخاری: رقم 344)

یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بلا ضرورتِ شدیدہ یعنی کوئی بہت زیادہ ضرورت نہ ہو تو سونے والے کو نہ اُٹھایا جائے۔ اس بارے میں خاص طور سے گھروں میں خیال رکھا جائے۔ موقع، مناسبت، وقت کو دیکھا جائے۔ بیوی، والدہ، بہن بھی انسان ہیں۔ بات بات پر انہیں سے کام کروانا، چلاّنا، زور دکھانا، یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق نہیں ہیں۔ سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنے گھر والوں کا خیال رکھنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب گھر میں ہوتے اور کوئی زوجہ مطہرہ یا امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سو رہی ہوتیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کوئی کام ہوتا یا باہر جانا ہوتا تو بغیر جوتے پہنے جاتے،

آواز پیدا نہ فرماتے کہ بیوی کو تکلیف نہ ہو۔

یعنی بیوی کے آرام کا نبی کریم ﷺ اتنا خیال رکھا کرتے تھے۔آج تو بیوی بیمار ہوتی ہے تب بھی کہتے ہیں کہ پانی بھی تُو میرے لیے لے کر آ۔ فلاں کام بھی تُو نے میرے لیے کرنا ہے۔ بھلا بتایئے کہ اگر وہی کام میں خود کرلوں تو میرے لیے تو گناہ نہیں ہے۔کوئی حرج کی بات تو نہیں ہے۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا سنتِ رسول ہے۔

نبی کریم ﷺ جب رات کو گھر میں تشریف لاتے تو بہت ہلکی اور آہستہ آواز سے سلام کرتے تا کہ اگر کوئی سو رہا ہو تو اس کی نیند خراب نہ ہو، اور اگر کوئی جاگ رہا ہے تو وہ سن کر جواب دے سکے۔ لیکن اگر نماز قضا ہو رہی ہو یا درس و تدریس کا وقت ہو تو جگانا چاہیے۔ ایسا بھی نہیں کہ جیسا ہمارے ہاں ہوتا ہے کہ بچہ سو رہا ہے تو کوئی بات نہیں سونے دو۔ سوتے ہوئے کو جگانا اس وقت ممنوع ہے جب نماز قضا ہونے کا خطرہ نہ ہو، پڑھائی کا مسئلہ نہ ہو۔ جب نماز کا مسئلہ آجائے یا پڑھائی کا وقت ہو تو اس وقت اُٹھانا چاہیے۔

اگلی بات قیلولہ کرنے سے متعلق ہے۔ قیلولہ کرنا سنت ہے۔ نبی کریم ﷺ قیلولہ کیا کرتے تھے۔

قیلولہ کرنا:

قیلولہ کہتے ہیں: دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر لیٹ جانا اور آرام کرنا۔ چاہے نیند آئے، چاہے نیند نہ آئے۔ آجائے تو سبحان اللہ! اور نہ آئے تو الحمد للہ! اس سے تہجد کے لیے آسانی ہوتی ہے، اور صحت کے لیے بھی بہترین ہے، اور اس سے انسان تازہ دم ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے۔ نبی کریم ﷺ

زندگی بھر اس پر عمل کرتے رہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس پر عمل کرتے رہے۔

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ حضرت اُمّ سُلَیم رضی اللہ عنہا سے نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں قیلولہ فرماتے تھے یعنی آرام کرتے تھے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بطور بستر چادر بچھاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قیلولہ فرماتے۔ گرمی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ بہنے لگتا تو میں اسے جمع کرتی۔ (اس کی خوشبو مشک سے بھی زیادہ ہوتی تھی) ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اُمّ سُلَیم رضی اللہ عنہا سے وہ خوشبو مانگی تو انہوں نے مجھے دے دی۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ایوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن سیرین کی وفات کے وقت وہ خوشبو انہیں (اُن کے جسم پر) لگا دی گئی۔ (سیر أعلام النبلاء: أمّ سليم الغميصاء)

عام حالات میں تو قیلولہ اسی طرح ہوتا ہے۔ اور جمعہ کے دن چوں کہ مسنون یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے لیے انسان جلد از جلد مسجد پہنچے۔ تو جمعہ والے دن قیلولہ کا طریقہ یہ ہے کہ انسان جمعہ پڑھ کر واپس آئے، دوپہر کا کھانا کھائے اور اس کے بعد قیلولہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ دن کے سونے سے رات کی عبادت پر قوت حاصل کرو۔ (معجم طبرانی کبیر: رقم 11460)

یعنی اگر انسان دن میں آدھا گھنٹہ، 15 منٹ، 20 منٹ لیٹ جائے، سو جائے تو رات کو تہجد پڑھنا اس کے لیے آسان ہو جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم قیلولہ کرو، اس لیے کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔ (سلسلہ صحیحہ للالبانی: رقم 2647)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نصف النہار یعنی دوپہر کے وقت آرام کرتے تھے چاہے گرمی ہو یا سردی۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ

قیلولہ کرو، اس لیے کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔ (الآداب الشرعية: فصل في استحباب القيلولة)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں انہیں اطلاع ملی کہ فلاں گورنر قیلولہ نہیں کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ خط لکھا:

أما بعد، فقل ، فإن الشيطان لا يقيل. (قيام الليل لابن نصر: 40)

ترجمہ: ''دیکھو! قیلولہ کرو، اس لیے کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا''۔

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ دوپہر کو قیلولہ کرنے سے عقل کے اندر اضافہ ہوتا ہے۔ ہمارے اکابرین، مشائخ حضرات سنت کے عاشق تھے، اس لیے ان کا قیلولہ کرنے کا معمول تھا۔ حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوپہر کے وقت سنت قیلولہ کی نیت سے تھوڑی دیر سوجانا ہزاروں سال کی اپنی مرضی کی شب بیداری سے بہتر ہے۔ وہ عبادت جو من مرضی کے دن، من مرضی کی راتوں میں ہو، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے، شریعت سے اس کی کوئی تاکید ثابت نہ ہو۔ ایسی ہزاروں راتیں ایک طرف، اور تھوڑی دیر دوپہر کو سوجانا یہ سنت ایک طرف اُن تمام من مرضی دنوں اور راتوں کی عبادت سے افضل ہے۔

یاد رکھیے کہ سنت کا مقابل کوئی نہیں۔ اس کی قیمت عند اللہ جو ہے، وہ کسی غیر سنت کی قطعاً نہیں ہوسکتی۔ ایک طرف جاگنا ہے اور ایک طرف نیند ہے، لیکن اس نیند کو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک نسبت ہے۔ یہ نسبت اس کو درجہ عطا کردیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اتباعِ سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

محرّم الحرام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ مِنْھَآ اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ ط (التوبۃ:36)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

خلاصۂ بیان

آج 29 ذوالحجہ ہے 1437 ہجری سال ہے۔ آج جو بات کرنی ہے وہ محرّم الحرام کے حوالے سے ہے۔ اس میں تین باتیں ہیں:

پہلی بات: تقویمِ ہجری یعنی ہجری کیلنڈر کیا ہے؟ ہم عیسوی سال بھی دیکھتے ہیں یعنی جنوری، فروری، مارچ وغیرہ۔ اسلامی سال بھی دیکھتے ہیں جو محرّم سے شروع ہوتا ہے، پھر صفر المظفر، پھر ربیع الاوّل وغیرہ۔ اور بکرمی سال کا کیلنڈر دونوں سے مختلف ہوتا ہے۔

دوسری بات: محرّم الحرام کے مہینے کی اللہ کے یہاں کیا حرمت اور عزّت ہے؟

تیسری بات: دسویں محرّم کے دن کی کیا فضیلت ہے اور کب سے ہے؟

ان سب کی وضاحت پیش کی جائے گی اِن شاء اللہ۔

محاسبہ نفس

لیکن ان سب باتوں کے بیان سے پہلے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس سال یعنی چودہ سو سینتیس کے ختم ہونے میں چند گھنٹے رہ گئے ہیں۔ ہم یہ سوچیں کہ کیا اس سال میں ہم اپنے اللہ کو راضی کر پائے ہیں؟ ایک سال ہماری زندگی کا اور ختم ہونے والا ہے تو کیا اس میں ہم نے اللہ کو راضی کرلیا ہے؟ اگر نہیں کیا تو توبہ کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر کریں کہ ہماری زندگی سے ایک سال اور ختم ہوگیا اور ہم اپنی موت کے اور قریب ہوگئے۔ اب نیا سال شروع ہونے والا ہے تو اس میں ہم نیت اور ارادہ کریں کہ اے اللہ! اس آنے والے سال کو ہم پہلے سے بہتر گزاریں گے۔ اعمال کے حساب سے بھی، اَخلاق کے حساب سے بھی ہم پہلے سے بہتر گزاریں گے۔

نیکیوں کے لیے ٹارگٹ بنائیں

ہم دنیا کے اندر اپنے کچھ اچھے اچھے ٹارگٹ بنائیں۔ جیسے Companies جب کاروبار کرتی ہیں تو ہر سال ختم ہونے پر بتاتی ہیں کہ اس سال ان کی کارکردگی کیا رہی۔ اور اگلے سال کا جو ٹارگٹ وہ دیتی ہیں، وہ پہلے سے زیادہ ہوتا ہے۔ ہم بھی اپنے اگلے سال کے لیے نیکیوں کے ٹارگٹ پہلے سے زیادہ بنائیں۔ اب دنیا کا وقت اور کم ہوگیا ہے۔ جو وقت ہم لے کر آئے تھے وہ اور کم ہوتا چلا جارہا ہے۔ روز ایک دن کم ہورہا ہے، لہٰذا اور زیادہ فکر کی ضرورت ہے۔ جیسے کرکٹ کے اندر Runs زیادہ باقی ہوں اور Over کم رہ جائیں تو انسان کو ذرا محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ ہماری زندگی کے Over میں بھی یہ ایک Over اور کم ہوگیا۔ سال کو Over گن لیں۔ آج کل کے نوجوانوں کو یہ ہی Language سمجھ آتی ہے، تو سمجھ لیں کہ ایک Over اور گزر گیا۔ اور یہاں تو ایک ہی Chance ملتا ہے، دوبارہ والا معاملہ نہیں ہے۔ ہم غور کریں کہ ابھی تک ہم نے اللہ کو راضی کرلیا ہے کہ نہیں، ہمارے دلوں میں سکون آیا ہے کہ نہیں۔ اگر نہیں آیا تو پھر محنت کی ضرورت ہے، بہت محنت کی ضرورت ہے۔

بھیڑ لگانا مقصد نہیں

دیکھیے! اس مجلس میں بھیڑ لگانا مقصد نہیں ہے الحمدللہ! ہمارے یہاں ایسے کئی لوگ ہیں جو بھیڑ لگا لیتے ہیں۔ بھیڑ تو مداری بھی لگا لیتے ہیں۔ بازاروں میں بھیڑ لگانی ہو تو ایسے حربے بندہ استعمال کرسکتا ہے کہ بھیڑ لگ جائے، لیکن یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے اندر دین کو لے آئیں، نبی کریم ﷺ کی سنت کو لے آئیں۔ ایسے چند لوگ بھی تیار ہوگئے تو ان شاء اللہ موت کا سفر آسان ہوجائے گا۔ ہم اس طرح پورے سال

کا اپنا احتساب خود کریں۔ اللہ تعالیٰ نے تو پوچھنا ہے کہ 1437 کا سال کیسے گزارا؟ ایک ایک دن کا سوال ہوگا ہم ابھی سے اس کا اہتمام کریں۔ ایک بات تو یہ تھی۔

تقویم، کیلنڈر اور جنتری

اِسلامی نقطہ نظر سے محرّم الحرام کا مہینہ، یہ قمری سال کا پہلا مہینہ ہے۔ محرّم کے مہینے سے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے۔ اور دینِ اسلام کے جتنے بھی احکامات ہیں وہ اکثر وبیشتر قمری تاریخ کے حساب سے ہی چل رہے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ہم بات کرتے ہیں نظامِ تاریخ کی، جسے ہم کیلنڈر کہتے ہیں۔ یہ کیلنڈر کیا ہے؟ سال کے دنوں، ہفتوں اور مہینوں کو صحیح اندازے اور صحیح مقدار کے ساتھ تقسیم کرنے کو اُردو بول چال میں نظامُ الاوقات کہتے ہیں۔ اسے عربی میں تقویم، انگریزی میں کیلنڈر، اور ہندی میں جنتری کہا جاتا ہے۔ اس تقویم کے ذریعے سے دن اور وقت کو معلوم کرنے کا نام تاریخ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وقت معلوم کرنا یہ تاریخ ہے۔ اور تاریخ کا ذریعہ یہ کیلنڈر یا تقویم یا نظامُ الاوقات ہے۔ ماضی کے معاملات یاد رکھنے ہوں یا مستقبل کی کوئی تاریخیں طے کرنی ہوں، شادی بیاہ کی تاریخ طے کرنی ہے، یا سفر کی تاریخ طے کرنی ہے تو انسان کو تاریخی نظام کی شدید ترین ضرورت ہے، اس کے بغیر یہ سارے معاملات ہو ہی نہیں سکتے۔ یہ ضرورت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ کوئی مستقل تاریخی نظام ہو۔

تین طرح کے نظام

چناں چہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے دنیا کے اندر کئی تاریخی نظام ابھی بھی چل رہے ہیں اور ان کا بنیادی مدار تین چیزوں پر ہے:

1 سورج 2 چاند 3 ستارے۔

شمسی سورج سے چلنے والا نظام، قمری چاند سے چلنے والا نظام، اور نجومی ستاروں سے چلنے والا نظام۔ پھر شمسی تاریخ کے اعتبار سے ہمارے یہاں عیسوی کیلنڈر رائج ہے، اسے عربی میں میلادی کہتے ہیں۔ دوسرا نظام بکرمی کلینڈر کا ہے، اس کو ہندوز زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کے متعلق کسی خاص تفصیل کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا جو ہمارے یہاں مروّج ہے اسی کی بات کر لیتے ہیں۔ تو عیسوی کلینڈر جنوری سے شروع ہو کر دسمبر میں ختم ہوتا ہے، اس میں بارہ مہینے ہیں۔

عیسوی مہینوں کی وجہ تسمیہ

انسائیکلوپیڈیا اور برٹانیکا Baritannica کے اندر ان بارہ مہینوں کی جو تفصیل لکھی ہے اور ان ناموں کا مطلب لکھا ہے وہ یہ ہے:

1 جنوری: یہ جانوس سے لیا گیا ہے یہ ایک دیوتا کا نام ہے۔ رومی لوگ سمجھتے تھے کہ یہ ایسے چہرے والا ہے کہ آگے بھی دیکھتا ہے اور پیچھے بھی دیکھتا ہے تو نسبت دیوتا کی طرف ہو رہی ہے، غیر اللہ کی طرف ہو رہی ہے۔

2 فروری: یہ فیبروا Febrva ایک دیوی ہے جس کو وہ پاکیزہ اور مقدّس مانتے تھے، پاکدامن مانتے تھے، اور مقام دیتے تھے۔

3 مارچ: یہ مارس Mars سے لیا گیا ہے جو رومیوں کے نزدیک جنگ کا دیوتا تھا۔

4 اَپریل: یہ ابریری Abrery سے لیا گیا ہے، اس کے معنی پھولنے کے ہیں، کِھلنے کے ہیں کہ بہار کا موسم ہوتا ہے اور پھول کِھلتے ہیں۔

5 مئی: یہ میا Maia یا میّا Mayya سے لیا گیا ہے جو افسانوی شیطان اٹلس کی بیٹیوں میں سے ایک کا نام ہے۔

6 جون: یہ یونو سے لیا گیا ہے جو دیویوں کے سردار جُپیٹر Jupiter کی بیوی تھی۔

7 جولائی: کیلنڈر کے بانی جولیس قیصر Julius Ceaser کی یادگار کے طور پر اس مہینے کا نام جولائی رکھ دیا گیا۔

8 اگست: یہ آٹھواں مہینہ کہلاتا ہے۔ رومیوں کے بادشاہ جولیس قیصر Julius Ceaser کے جانشین Augustus کی یادگار کی بنیاد کے اوپر اس کا نام اس کی نسبت سے رکھ دیا گیا۔

9 ستمبر: لاطینی زبان کے مطابق اس کا ترجمہ بنتا ہے ساتواں مہینہ۔ قبلِ مسیح لوگ مارچ سے سال شروع کرتے تھے تو اُن کے حساب سے یہ ساتواں مہینہ بنتا تھا، بعد میں تبدیلی آگئی اور جنوری سے سال شروع کرنے لگ گئے۔ تو ستمبر کا مطلب ہے ساتواں مہینہ۔

10 اکتوبر کا مطلب ہے آٹھواں مہینہ۔

11 نومبر کا مطلب ہے نواں مہینہ۔

12 دسمبر کا مطلب ہے دسواں مہینہ۔

یہ بارہ نام ہیں جو انگریزی مہینوں کے رکھے گئے۔ ان سب کی نسبت آپ دیکھیں کہ دین کی نسبت سے نہیں، اللہ کی نسبت سے نہیں، غیر اللہ کی نسبت سے یہ نام ہیں۔

قمری مہینوں کے نام

تیسرا نظام قمری سال کے اعتبار سے ہے جس کا تعلق چاند کے گھٹنے بڑھنے سے ہے۔ اس کے نام کونسے ہیں؟ یہ نام ہر مسلمان کو یاد ہونے چاہیے۔ محرم الحرام سے یہ سال شروع ہوتا ہے:

1 محرم 2 صفر 3 ربیع الاول 4 ربیع الثانی 5 جمادی الاولی

6 جُمادی الاُخریٰ 7 رجب 8 شعبان 9 رمضان 10 شوّال
11 ذی قعدہ 12 ذی الحجہ۔

یہ بارہ مہینے ہیں۔ اور ان بارہ مہینوں کے نام یاد رکھنا اچھی بات ہے۔ اسلامی اور قمری سال تو محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے، اس کی تفصیل ابھی ذکر ہوگی اِن شاء اللہ۔

بکرمی تقویم

رہی بات بکرمی سال کی ابتدا کی تو اس کی نسبت راجہ بکرم اجیت کی طرف کی جاتی ہے جب اس کی تاج پوشی ہوئی تھی، وہیں سے یہ سال شروع ہوا۔ اسے دیسی سال یا جنتری بھی کہتے ہیں۔

حضور ﷺ کی ہجرت

اور مسلمان اسلامی سال کو ہجرت سے منسوب کرتے ہیں۔ حضور پاک ﷺ کی ہجرت کی نسبت سے ہجری سال نام طے ہوا۔

قمری نظام اور دیگر میں فرق

ایک سوال یہ ہے کہ قمری نظام اور دوسرے نظام میں کیا فرق ہے؟ اس سلسلے میں علماء نے مختلف باتیں لکھی ہیں۔ یہ باتیں کبھی کبھی ہوتی ہیں، ذہن میں ہونی چاہیے۔

قمری سال خالصتاً اللہ رب العزت کا بنایا ہوا نظام ہے۔ یہ فطری نظام ہے۔ انسانوں کا گھڑا ہو، بنایا ہوا نہیں ہے۔ اس میں انسانی عقل کا کوئی دخل نہیں۔ جس دن اللہ ربّ العزّت نے زمین وآسمان کو پیدا کیا تھا، اس دن جو قانون بنایا تھا قمری اعتبار سے یہ وہ قانون ہے۔ اور اس وقت موجودہ قمری مہینے ذی الحجہ کی آج 29 ویں تاریخ ہے جو 100 فیصد سچی اور پکی بات ہے، اس میں کوئی شک، کوئی شبہ نہیں۔ آج کل لوگ

پریشان ہوجاتے ہیں کہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کو کبھی چاند نظر آجاتا ہے اور کبھی نہیں آتا، یا یہ لوگ اپنی مرضی کرتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ان کی مرضی کوئی نہیں ہے۔ یہ اللہ ربّ العزّت کا بنایا ہوا نظام ہے۔ مرضی تو لوگ اس وقت کرتے تھے جب نبی کریم ﷺ کے اظہارِ نبوت سے پہلے مشرکین مہینوں کو آگے پیچھے کر دیا کرتے تھے۔ محرم کا مہینہ آرہا ہے، یا حج کا مہینہ آرہا ہے تو وہ اپنی کسی ضرورت کے تحت کہتے تھے کہ اس سال محرّم بعد میں آئے گا، صفر پہلے آئے گا۔ اس وقت جو بھی معاملہ تھا، بہرحال اب کوئی ایسا معاملہ نہیں۔ اور وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

اَشہرِ حُرُم اور قتال

ایک وجہ تو یہ ہے کہ سال کے چار مہینے بڑی عزّت اور حرمت والے ہیں۔ اللہ تعالی نے سورہ توبہ میں ان چار مہینوں کو اشہرِ حرم فرمایا ہے۔ ان چار مہینوں میں لڑنے کی ممانعت تھی، قتال کی ممانعت تھی، عرب لڑائی نہیں کر سکتے تھے جبکہ عربوں میں لڑنا ان کی گھٹی میں بسا ہوا تھا۔ لڑے بغیر ان کا معاملہ چلتا ہی نہیں تھا۔ ایسی ایسی باتوں پر آپس میں لڑائی ہوجاتی تھی کہ انسان حیران ہوتا ہے۔ دو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں، دونوں کے الگ الگ باغ ہیں۔ دونوں ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک کے باغ سے چڑیا اُڑکر دوسرے کے باغ میں جا کر بیٹھ گئی۔ بس اسی بات پر لڑائی ہوگئی کہ میرے باغ سے چڑیا تیرے باغ میں کیسے چلی گئی، یا تیرے باغ سے میرے باغ میں کیسے آگئی۔ اب لڑائی شروع ہوگئی۔ اسی طرح ایک لڑائی دس سال تک دو قبیلوں کے درمیان جاری رہی اور بہت ہی معمولی بات پر۔ وہ کیا بات تھی؟ ایک سردار قسم کے آدمی نے اپنی ٹانگ پھیلا دی اور کہا کہ کوئی مجھ سے بڑا سردار ہے تو اس پر وار کر کے دکھائے؟ دوسرے نے تلوار لی اور اس

کی ٹانگ کاٹ دی۔ اسی بات پر سینکڑوں افراد قتل ہو گئے۔ اللہ اکبر!

تو ان چار مہینوں میں لڑائی کی ممانعت تھی اور اس کا احترام عرب کرتے تھے۔ اب تین مہینے تو اکٹھے تھے: ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرّم، جبکہ رجب الگ تھا۔ اب جب لڑائی کے بغیر ان کے تین مہینے گزر جاتے تھے تو پریشانی ہوتی تھی کہ بھئی تیسرا مہینہ کیسے گزاریں۔ تو وہ آپس میں طے کر لیتے تھے کہ اس دفعہ محرّم کو لیٹ کر دیتے ہیں تاکہ آسانی سے لڑائی کر سکیں۔ ابھی صفر شروع ہو جائے ہم لڑ بھڑ لیں گے اور اس کے بعد دوبارہ محرّم آ جائے گا پھر بیٹھ جائیں گے۔

اعلانِ حجۃ الوداع

اور آج جیسے کہ 29 ذی الحجہ ہے تو یہ یقینی بات ہے کہ 29 ذی الحجہ ہی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

إن الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السماوات والأرض.

(صحيح البخاري: رقم 4662)

اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ اب قریش کا وہ معاملہ ختم ہو گیا اور اسلامی تقویم اپنے اسی طرز پر آ گئی جب اللہ نے اس زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا۔ اور پھر اس وقت سے لے کر آج تک اُمتِ مسلمہ اس کی محافظ ہے۔ رمضان ہمیشہ رمضان میں ہوا، عید ہمیشہ عید میں ہوئی۔ ہر چیز اپنے موقع پر ہوئی۔ اسی لیے یہ یقینی طور پر کامل نظام ہے جس کے اندر اللہ کی ترتیب باقی ہے۔ اب جو عیسوی نظام ہے اس میں ان ہی کی تاریخ کے مطابق کئی ترمیمیں ہو چکی ہیں۔ آٹھ (8) عیسوی میں ہوئی، 799 عیسوی میں ہوئی، 1477 میں ہوئی، 1582 میں ہوئی۔ کبھی ان کا مہینہ 20 دن کا ہوتا تھا، کبھی ان کا

سال 14 مہینہ کا بھی ہوا، اور کبھی کچھ، کبھی کچھ۔ تو مختلف ترتیبات یہ لوگ چلاتے رہے، ایسی صورت میں ان کی تاریخ کا کیا اِعتبار ہے۔

فطرتی نظام

ایک اور بات کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس نے جو تاریخی نظام دیا یہ بھی فطرت کے مطابق ہی دیا۔ انسان کی جو روزمرّہ کی ضروریات ہیں، اللہ ربّ العزّت نے چاند کا نظام ایسی خاص ترتیب پر بنادیا کہ ہر انسان ہر علاقے میں چاند کو دیکھ کر تاریخ کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ شروع میں یہ مغرب کی طرف آپ کو بہت پتلا نظر آئے گا، یہ ابتدائی تاریخیں ہوں گی۔ پھر چودھویں رات کو کوئی بھی دیکھے، اَن پڑھ دیکھے، پڑھا لکھا دیکھے، چھوٹا دیکھے، بڑا دیکھے، شہر والا دیکھے یا دور دراز کسی علاقوں میں یا پہاڑوں میں، جنگلوں میں رہنے والا دیکھے، اس کو چودھویں رات کا چاند چودھویں ہی کا نظر آئے گا تو تاریخ کا اندازہ ہو جائے گا۔ پھر وہ گھٹنا شروع ہوگا اپنی ترتیب کے مطابق تو معلوم ہو جائے گا۔ پھر وہ غائب ہو جائے گا تو بھی معلوم ہو جائے گا۔ اب پھر نیا مہینہ شروع ہونا ہے تو اسی طرح یہ نظام چلتا رہتا ہے۔ بغیر کیلنڈر کے، بغیر کسی چیز کے دنیا کا ہر شخص اس تاریخ کا اندازہ کرسکتا ہے یہ فطرت ہے۔ فطرت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہے۔

دوسری طرف عیسوی سال کو اگر ہم دیکھیں تو آپ اس کا اندازہ بغیر پوچھے، بغیر کیلنڈر دیکھے نہیں لگا سکتے۔ ایک آدمی جنگلوں میں ہے، سمندر میں جارہا ہے اور راستہ بھول گیا تو اس کے پاس تاریخ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ جیسے Navy والے تو آج تک چاند کی تاریخ کا حساب رکھتے ہیں اور قیامت تک رکھتے رہیں گے اس کے بغیر ان کا کام نہیں ہوگا۔ تو یہ قمری نظام ایسا ہے جو عین فطرت کے مطابق ہے۔

جنگل میں رہنے والا جس کو کوئی میڈیا نہیں پہنچا، اس کے پاس ذرائع ابلاغ کا کوئی ذریعہ نہیں، وہ بھی اندازہ کرسکتا ہے کہ مہینہ ختم ہو رہا ہے، یا مہینہ درمیان میں ہے۔

قمری تاریخ پر حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کا عمل

قمری نظام پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی رائج رہا۔ انبیاء علیہم السلام کا نظام اس کے مطابق رہا۔ چناں چہ باقی کسی بھی نظام کے بارے میں کوئی شخص دعویٰ نہیں کرسکتا کہ کسی نبی نے اس کو اختیار کیا ہو۔

پہلے رات پھر دن

قمری مہینہ چاند کے نکلتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ رات پہلے آتی ہے اور دن بعد میں آتا ہے۔ جیسے رمضان کے لیے چاند کا جب اعلان ہو جاتا ہے، تو ہم فوری طور پر عشاء کی نماز کے بعد تراویح شروع کر دیتے ہیں، اور دن میں روزہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح عید کی رات چاند رات کہلاتی ہے۔ یہاں یہ ترتیب ہے کہ رات پہلے ہے، دن بعد میں ہے۔ اور جیسے شبِ جمعہ۔ جمعہ کی جو برکتیں ہیں وہ جمعرات کے دن غروبِ آفتاب کے بعد شروع ہو جاتی ہیں۔ سورۃُ الکہف آپ نے پڑھنی ہے اس وقت پڑھ سکتے ہیں۔

شرک و بدعت سے پاک

پھر قمری مہینوں کے جو نام ہیں یہ اللہ ربّ العزّت نے رکھے ہیں۔ مہینے تو سارے ہی اللہ کے ہیں، لیکن ان چار مہینوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بہت ہی قوی ہے۔ قمری مہینوں کے ناموں میں کسی کو شریک، یا رسم و رواج، یا بدعت کا تصور بھی نہیں۔ اسلامی سن کا آغاز کس واقعہ سے ہو رہا ہے؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ہو رہا ہے۔ اس کے برخلاف جو باقی مہینے ہیں عیسوی مہینے، بکرمی مہینے

اور بھی جو ہیں اُن کی نسبت کسی بادشاہ کی طرف ہوگی، یا کسی دیوتا کی طرف ہوگی، کسی دیوی کی طرف ہوگی، یا شیطان سے تعلق ہوگا۔لیکن قمری نسبتیں جو بھی ہیں اس میں شرک، بدعت، رسوم ورواج، غیر اللہ کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ صاف ستھرے ہیں، پاکیزہ ہیں اور منوّر ہیں۔

عبودیت کا اِظہار

اسی طرح قمری نظام کے اندر اللہ ربّ العزّت نے جو رمضان، عید الفطر اور حج اور عید الاضحیٰ کا معاملہ رکھا ہے، یہ بڑا پیارا معاملہ ہے، اور بہت ہی مزیدار ہے۔ اگر یہ سورج کے حساب سے ہوتا تو یکسانیت ہوتی کہ ہر دفعہ دسمبر میں ہی روزہ رکھنا ہے۔ اب ساری زندگی دسمبر میں ہی رمضان ہوتا، ایک ہی Attraction ہی ختم ہوجاتی۔ پھر کہیں دسمبر میں 12 گھنٹے کا دن ہے تو گرمی ہے، اور کہیں دن چھوٹا ہے تو سردی ہے۔ پوری دنیا کے اندر مختلف ہے۔ اب افریقہ کے اندر دسمبر میں گرمی ہوتی ہے اور جون، جولائی میں سردی ہوتی ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے قمری نظام رکھا کہ ہر سال 10 دن نیچے آ رہا ہے، تو کبھی رمضان المبارک کا مہینہ دسمبر میں آئے گا اور کبھی جون میں آئے گا۔ Change ہوتا رہے گا۔ ہر ملک کے بندے کو گرمی میں بھی عبادت کرنی ہوگی، سردی میں بھی عبادت کرنی ہوگی۔ اس میں عبودیت کا اظہار بھی زیادہ ہوگا کہ اللہ! اگر گرمی میں رمضان آیا تو میں روزہ رکھنے کے لیے تیار ہوں، سردی میں آیا تو بھی میں روزہ رکھنے کے لیے تیار ہوں۔ چھوٹا روزہ ہے تو تیار، بڑا دن ہے تو بھی تیار۔

چاند کا انتظار

ہر موسم میں بندے کو عادی بنایا جارہا ہے، Training دی جارہی ہے کہ دیکھو! تم

نے ہماری مان کے چلنا ہے۔ تمھیں ان نظاموں سے کیا لینا دینا! تمھیں تو ہماری بات کو ماننا ہے۔ تو یہ اس کے اندر کچھ مزے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ جو قمری نظام سے اسلامی تہوار آتے ہیں تو مسلمانوں کے دلوں میں ایک انتظار کی کیفیت ہوتی ہے اس کی لذّت کچھ اور ہوتی ہے۔ اب عیسائی لوگ جو پچیس دسمبر کو ایسٹر Eester مناتے ہیں، تو اِنتظار کی وہ کیفیت اور شدّت ہو ہی نہیں سکتی۔ آپ جائیں کسی سے پوچھ لیجیے گا۔ اور اپنے دلوں سے اس کا سوال خود ہی لے لیں، بچوں سے پوچھ لیں۔ آج 27 دن گزر گئے، آج 28 دن گزر گئے، چاند کب دیکھنا ہے؟ بھئی! چاند تو 29 کو دیکھیں گے۔ اب رؤیتِ ہلال کمیٹی بیٹھی ہوئی ہے اور انتظار ہو رہا ہے کہ کیا اعلان ہوتا ہے؟ وہاں سے اعلان ہو جائے کہ عید ہے تو ایک دم دلوں کے اندر خوشی آجاتی ہے، اور اگر یہ اعلان ہو کہ چاند دکھائی نہیں دیا یا چاند نہیں نکلا اور اب کل کا روزہ رکھنا ہے تو ہم دل کی خوشی سے روزہ رکھنے کے لیے بھی تیار ہوتے ہیں۔ لیکن ایک عجیب سی خوشی اور تعلق جڑا رہتا ہے وہ یکسانیت نہیں ہوتی۔ یکسانیت سے انسان بیزار ہو جاتا ہے۔ تو اللہ ربّ العزّت نے مسلمانوں کو قمری نظام کے اعتبار سے ایسی چیز دی ہوئی ہے کہ جو خوشی والی کیفیت اس میں ہے، یہ کسی اور نظام میں ہو ہی نہیں سکتی۔

زکوٰۃ کی ادائیگی قمری اعتبار سے کیجیے

پھر قمری نظامِ تاریخ پر اِسلام کے اکثر احکامات کا مدار ہے۔ رمضان مبارک کی ابتدا اور انتہا، عید الفطر، عید الاضحیٰ، ایامِ تشریق اور زکوٰۃ کا وجوب وغیرہ۔ ہم میں سے اکثر لوگ حساب کرتے ہیں 30 جون کو اور بعض کرتے ہیں دسمبر کو، عیسوی تاریخ سے زکوٰۃ کا حساب جوڑنا یہ ٹھیک نہیں ہے، کیوں کہ عیسوی سال میں 365 دن ہوتے ہیں، اور قمری

اعتبار سے تقریباً 355 دن ہوتے ہیں۔ دونوں میں دس دن کا فرق آجاتا ہے۔ اور مستحقِ زکوٰۃ کا فائدہ اس میں ہے کہ اسے جلد اس کا حق مل جائے تاکہ وہ اپنی ضرورت پوری کرسکے۔ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح وہ عورت جس کا شوہر انتقال کرچکا ہو، اس کی عدّت کا معاملہ بھی قمری اعتبار سے ہے۔ بچے کا بالغ ہونا، قربانی کے جانور کی مدّت یہ سارا کچھ قمری نظام سے اللہ ربّ العزّت نے جوڑا ہے۔

کچھ تاریخی واقعات سے سال کی ابتدا

ہجری سن کی ابتدا کیسے ہوئی؟ حضور ﷺ کی ہجرت الی المدینہ سے قمری سال کی ابتدا کی جاتی ہے۔ اس سے پہلے زمانے میں مشہور واقعات سے تاریخ یاد رکھی جاتی تھی۔ جیسے نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے قبل عام الفیل کا واقعہ پیش آیا۔ تو یوں کہا جانے لگا کہ نبی کریم ﷺ اس سال میں پیدا ہوئے جس میں ابرہہ بادشاہ ہاتھیوں کی فوج لے کعبہ پر چڑھائی کے لیے آیا تھا اور اسے عبرتناک شکست ہوئی تھی۔ یعنی بڑے بڑے واقعات کو مخصوص کرلیا جاتا، کوئی مستقل نظام نہیں تھا۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو سب سے پہلے اُن کے اُترنے کے سال کو مقرر کیا گیا، پھر طوفانِ نوح کے واقعے کو بطورِ سن مقرر کیا گیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کے ماننے والوں نے ان کے آگ میں ڈالنے والے دن کو مقرر کیا کہ مثلاً ان کے آگ میں ڈالنے کے پانچ سال بعد میرا بیٹا پیدا ہوا، یا اتنے سال بعد میرا یہ کام ہوا۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کے ماننے والوں نے جب وہ مصر میں وزیر بن گئے تھے، اس بات کو سال کی ابتدا کے واسطے مقرر کرلیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں نے جس دن فرعون غرق ہوا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات ملی، اس واقعہ کو بنالیا کہ اس سے ہم اپنا تعین کیا کریں گے۔ اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں نے ان کی پیدائش کو مقرر کرلیا کہ اس طرح ہمارا نظام چلے گا۔ الغرض لوگ اس طرح سے مشہور واقعات کو اپنے مشاغل کی تاریخ یاد کرنے کا ذریعہ بنالیا کرتے اور ایسے واقعات کو سن قرار دے دیا کرتے تھے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

عہدِ فاروقی اور ہجری سن کی ابتدا

پھر نبوّت کے دور سے یہ سلسلہ اس طرح سے چلتا رہا کہ کوئی واقعہ بعثت سے پہلے کا ہوتا تو کہا جاتا کہ قبل از بعثت، اور بعثت کے بعد کا ہوتا تو کہا جاتا کہ نبوّت کے دو سال بعد، تین سال بعد وغیرہ یہ واقعہ پیش آیا یا یہ حکم اُترا۔ اسلام کے ابتدائی دنوں میں تو مختصر سا معاملہ تھا۔ مدینہ طیبہ ہی کی جگہ تھی۔ لیکن آگے جاکر معاملات پھیلتے چلے گئے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں جب اسلامی مملکت پھیلنی شروع ہوگئی اور فتوحات کا دروازہ کھلتا چلا گیا تو حساب و کتاب کے معاملات بھی بہت وسیع ہوگئے۔ اس لیے مسلمانوں کو ضرورت پیش آئی کہ اپنا کوئی علیحدہ اور مستقل نظام ہو جو غیروں سے ہٹ کر ہو اور فطرت کے مطابق ہو۔ مسلمانوں کی دینی حمیت اور غیرت کے مطابق ہو۔ بھلا مسلمان کیسے برداشت کرسکتا ہے کہ کوئی غیروں کی چیز اپنے اندر لے آئے۔ یہ لاوارث قوم تو نہیں ہے۔ اللہ نے کیا کچھ نہیں دیا اس کو۔ اب جب یہ فیصلہ ہوگیا کہ ہمارا اپنا کوئی تاریخی نظام ہونا چاہیے تو پھر حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر سوچ و بچار کی، اس پر مشورے ہوئے اور بالآخر انہوں نے سنِ ہجری کو منتخب کیا جو آج تک جاری ہے الحمدللہ! اور قیامت تک جاری رہے گا۔

بعض شبہات کا ازالہ

بعض روایات سے یہ بھی پتا لگتا ہے کہ سنِ ہجری کی ابتدا خود نبی کریم ﷺ نے کی تھی، تاہم راجح یہ ہی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اس کی بنیاد پڑی۔ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوجاتا ہے کہ جو کام نبی کریم ﷺ نے نہیں کیا اور بعد والوں نے کیا وہ پھر ٹھیک نہیں ہے۔ ان کا یہ شبہ بہت غلط ہے۔ حضور پاک ﷺ نے اپنی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت میں بال برابر بھی فرق نہیں کیا۔ فرمایا:

أُوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنكُمْ يَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ، فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ. (سنن الترمذي: رقم 2676)

''میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے اور سننے اور ماننے کی خواہ (تمہارا حاکم) حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ بلا شبہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا، اور تم دین میں نئی نئی باتوں کے پیدا کرنے سے بچنا کیوں کہ دین میں جو بھی نئی چیز نکالی جائے گی وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ پس تم پر ایسے وقت میں میرے اور میرے خلفائے راشدین، ہدایت یافتہ کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے''۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت (طریقے) کے بارے میں جو ہدایات جاری فرمائی ہیں، اس میں کوئی فرق نہیں کیا۔ دونوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ مضبوطی سے تھامو۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ خلفائے راشدین کا عمل عین سنت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے سے جتنے بھی معاملات آپ نے شروع فرمائے وہ بالکل حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہیں۔

ہجرت کو بطورِ سن منتخب کرنے کی وجہ

اب یہاں ایک بات یہ ہے کہ ہجرت کے عمل کو بطورِ سن کیوں منتخب کیا گیا؟ دیکھا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کو منتخب کیا جا سکتا تھا، دنیا سے پردہ فرما جانے کے دن کو منتخب کیا جا سکتا تھا، غزوۂ بدر کا موقع بہت بڑا تھا اس کو منتخب کیا جا سکتا تھا، فتحِ مکہ جو کہ اسلام کی بڑی عظیم الشان فتح تھی اس کو منتخب کیا جا سکتا تھا، حجۃ الوداع کو منتخب کیا جا سکتا تھا جو اسلام کی ظاہری شان و شوکت کا بہترین اظہار تھا، یا جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوا غارِ حرا میں اس کو، یا جب قرآن مجید مکمل ہوا اس کو منتخب فرما سکتے تھے۔ تو اتنے مواقع میں سنِ ہجری کو ہی کیوں مقرر کیا گیا؟ ہجرت کا واقعہ کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں رہ رہے ہیں، لوگوں نے رہنے نہیں دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی پریشانی کے عالم میں اور تکلیف کے عالم میں بے سروسامانی کے حال میں خاموشی سے رات کی تاریکی میں نکل رہے ہیں۔ اس میں کون سی حکمت ہے؟ اس بارے میں چند باتیں سمجھ لیجیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ظہورِ اسلام سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے تک کی تاریخ میں دو زمانے اُصولی زمانے ہیں:

1. مکہ مکرّمہ کا زمانہ۔ نبوّت سے سرفراز ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 13 سال مکہ مکرّمہ میں رہے۔ اس زمانے کے واقعات وحالات اور اَحکامات۔
2. مدینہ منوّرہ کا زمانہ۔ وہاں کے اَحکامات اور اَعمال۔

پہلا زمانہ نبی کریم ﷺ کی نبوّت سے شروع ہوکر ہجرت پر مکمل ہوتا ہے۔ اور اس کی ابتدا غارِ حرا سے اور تکمیل غارِ ثور پہ ہوتی ہے۔ دوسرا زمانہ ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور حجۃ الوداع کے موقع پر مکمل ہوتا ہے۔ اس کی ابتدا مدینہ منوّرہ میں داخلے کے وقت والہانہ استقبال سے ہوئی اور اس کی تکمیل مکہ مکرّمہ کے فتح سے ہوئی۔ اب چند خصوصیات ہیں ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ہجرت کو بطورِ سن طے فرمایا۔

جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے تو ہجرت کی برکت سے مدینہ میں ایمان والوں کو ہر طرح کی عزّت، غلبہ، راحت، ثروت، سکون ہر چیز حاصل ہوئی۔ ایمان والوں کو ایک مضبوط قلعہ ملا۔ مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ عبادت کرنے، نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فائدہ اُٹھانے اور دین سمجھنے کا موقع ملا۔ اہلِ اسلام نسبتاً چین کی زندگی گزارنے لگے اور اسلامی طرز، اسلامی خدوخال، اسلامی معاشرت، اسلامی تمدّن وتہذیب، غرض ہر حکم پر عمل کا اِظہار کھل کے ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی اقتصادی اور معاشی نظام کی اصلاح کی تدبیریں کی جانے لگیں۔ عملی طور پر تعلیم اور تعلّم کا سازگار ماحول مؤثر آیا۔ آزاد فضا میں رہ کر اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا آسان ہوا اور ساتھ ہی ساتھ اسلام کی تعلیمات دوسروں تک پہنچانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک اسلامی حکومت قائم ہوئی جس کے سربراہ جنابِ نبی کریم ﷺ تھے۔ وہ شروع تو مدینہ طیبہ سے ہوئی اور ساتھ ساتھ جب پھیلنی شروع ہوئی تو مضافات کے چند علاقے شامل ہوئے۔ پھر چلتے چلتے بحرالکاہل سے لے کر بحرِ اوقیانوس تک پہنچے۔ تو ہجرت کا واقعہ ترقی کا زمانہ شروع ہونے کا واقعہ ہے۔

دینی غیرت وحمیت

اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ہمارے سامنے قمری تاریخ بھی ہے اور ہمارے سامنے شمسی تاریخ بھی ہے۔ دونوں نظام اللہ کے ہیں۔ سورج، چاند دونوں اللہ نے بنائے ہیں، دونوں نظام اللہ تعالیٰ ہی چلا رہے ہیں، لیکن بحیثیت مسلمان ہماری بھی کوئی ڈیوٹی ہوتی ہے یا نہیں ہوتی؟ اس بارے میں بھی چند باتیں سن لیجیے۔

قمری یعنی ہجری سال اور تاریخ کو یاد رکھنا، باقی رکھنا فرض کفایہ ہے۔ ایک علاقے کے اندر کسی کو کچھ نہیں پتا تو سارے ہی گنہگار ہوں گے، اور کچھ لوگوں کو معلوم ہے تو پھر عمومی گناہ سے تو بچ جائیں گے لیکن دینی حمیت اور غیرت کی بنیاد پر مسلمان کو چاہیے کہ اسلامی تاریخ کو یاد رکھے۔ چوں کہ جن شرعی احکامات کا تعلق چاند کی تاریخوں سے ہے مثلاً زکوۃ، روزہ، حج، قربانی وغیرہ تو ان کی تکمیل بھی انہی تاریخوں سے ہے۔ عبادت کو پورا کرنے کے لیے قمری تاریخ کا یاد رکھنا خود ایک عبادت ہے۔ پھر ہم یہ بھی دیکھیں کہ قمری تاریخوں کا استعمال کن لوگوں نے کیا؟ انبیاء نے کیا، صحابہ نے کیا، اولیاء نے کیا۔ جب ہم بھی کریں گے تو ہماری نسبت اُن سے ہوگی اور خیر و برکت رہے گی۔

صرف انگریزی تاریخ کو اپنانا مناسب نہیں

قمری حساب کے استعمال سے اسلام کا تشخص باقی رہتا ہے اس لیے بھی ضرورت ہے۔ قمری حساب کو بالکل چھوڑ دینا اور صرف انگریزی حساب کو ہی استعمال کرنا اس بارے میں علماء منع فرماتے ہیں۔ جب آپ کی ضرورت ہے آپ شمسی حساب کو استعمال کررہے ہیں ٹھیک ہے، لیکن قمری حساب کو بالکل چھوڑ بھی مت دو، بلکہ دونوں باتیں معلوم ہونی چاہیے اور اسے لکھنا بھی چاہیے۔ اہلِ مدارس تو اس کا اہتمام کر ہی رہے

ہیں۔ البتہ جو نہیں کررہے، اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ شمسی تاریخ لکھ رہے ہیں تو لکھ لیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ اسلامی تاریخ بھی لکھ لیں۔ ہمارے مدرسے کی جو پرچیاں بنیں گی ابھی تو بن گئی ہیں، آیندہ جو بھی ہوں تو اس میں دونوں تاریخوں کے کالم ڈالے جائیں گے قمری بھی اور عیسوی بھی۔ اسی طرح جہاں جہاں ہمارے لیے ممکن ہے کہ ہم شروع کر سکتے ہیں، تو کرنا چاہیے۔ یا کم سے کم یاد تو رکھ سکتے ہیں پتا تو ہو۔ یہ محبت کا معاملہ ہے۔ یہ بات قمری حساب کے اعتبار سے تھی۔ اب اگلی بات محرم الحرام کے مہینہ کے اعتبار سے ہے۔

محرّم الحرام کی اہمیت

محرّم کے مہینے میں عام طور سے ایک یہ تصور ہے کہ محرّم کا تعلق فقط حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور کربلا کے واقعہ سے ہی ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ ان کا واقعہ یقیناً محرّم میں ہوا۔ 10 محرّم میں ہوا۔ بہت بڑی قربانی تھی، وہ سب اپنی جگہ بہت بڑی باتیں ہیں۔ لیکن محرّم سے مراد صرف اسی ایک واقعہ کو لے لینا اور باقی ساری باتوں کو بھول جانا یہ لاعلمی کی بات ہے۔ اس بندے کو دین کا پتا ہی نہیں ہے۔

لغت کے حساب سے محرّم کا مطلب ہے مُعَظَّم، محترم، معزّز۔ یہ مہینہ اِعزاز والا ہے، احترام والا مہینہ ہے اسی لیے اس کا نام محرّم ہے۔ ایک حدیث شریف بیان ہوئی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا: اس وقت زمانے کی رفتار وہی ہے جس دن اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا۔ یعنی اب اس کے دنوں اور مہینوں میں کوئی کمی زیادتی نہیں ہے جو جاہلیت کے زمانے میں مشرکین کر دیا کرتے تھے۔ اب وہ ٹھیک ہو کر اس طرز پر آگئی ہے جس پر ابتدا میں اصل میں

تھی۔ اور آگے فرمایا: ایک سال 12 مہینوں کا ہوتا ہے اور ان میں چار مہینے حرمت اور عزّت والے ہیں جن میں تین مہینے مسلسل ہیں: ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور ایک رجب کا مہینہ ہے جو جمادی اُخریٰ اور ماہِ شعبان کے درمیان آتا ہے۔

(صحیح بخاری: رقم 4662)

مبارک مہینوں کی خصوصیت

اس سے پہلے جو شریعتیں آئیں ان کے اندر بھی ان چار مہینوں کے اندر قتال حرام تھا۔ اور یہ احترام والے دن تھے۔ اور ان مہینوں میں عبادت کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ مفسرِ اعظم امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''اَحکامُ القرآن'' میں فرماتے ہیں کہ ان مبارک مہینوں کی خصوصیت یہ ہے، Quality یہ ہے کہ اِن میں جو بندہ عبادت کرتا ہے اس کو باقی مہینوں کی نسبت زیادہ عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ پھر جو بندہ اس میں ہمت کر کے گناہوں سے بچتا ہے اس کے لیے باقی مہینوں میں گناہوں سے بچنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ یہ چار مہینے جس میں محرم کا مہینہ بھی شامل ہے خاص طور سے عبادت اور خاص طور سے گناہوں سے بچنے کا مہینہ ہے۔ ان مہینوں سے فائدہ نہ اُٹھانا اور اس میں اِدھر اُدھر لگے رہنا یہ بہت نقصان کی بات ہے۔

محرم الحرام کا روزہ

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے روزوں کے بعد سب سے بہترین روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں۔ (صحیح مسلم: رقم 1163)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محرم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے کہ یہ مہینہ اللہ کا مہینہ ہے۔ باقی مہینے کس کے ہیں؟ باقی بھی اللہ ہی کے ہیں، لیکن اس کو خصوصیت

کے ساتھ کہا کہ اللہ ربّ العزّت کا مہینہ ہے، اور اس مہینے میں روزے رکھنے کی فضیلت رمضان کے روزوں کے بعد سب سے زیادہ ہے۔ اس حدیث میں 10 محرّم کا ذکر نہیں ہے، وہ دوسری حدیث میں ہے۔ تو محرّم کے مہینے میں کسی بھی دن روزہ رکھنا باعث ثواب ہے۔ آپ 10,9 محرّم کو رکھیں، 20 کو رکھیں، 25 کو رکھیں، 5 کو رکھیں۔ اس مہینے کی برکت سے زیادہ ثواب ہے۔ ہمیں اس کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔ اور جو 10,9 محرّم کو یا 11,10 محرّم کو روزہ رکھتا ہے اس کو 10 محرّم کے روزے کی فضیلت بھی ملے گی اور محرّم کی بھی ملے گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ رمضان کے بعد مجھے کس مہینے میں روزہ رکھنے کا حکم دیں گے؟ حضرت علی نے اس آدمی سے کہا کہ مجھ سے کسی نے یہ سوال نہیں پوچھا جو تم نے پوچھا ہے۔ اور اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا ہے۔ ایک آدمی نے یہی سوال پوچھا تھا جو تم پوچھ رہے ہو، اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو جواب اسے دے رہے تھے تو میں حاضرِ خدمت تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ماہِ رمضان کے روزے کے بعد اگر تم روزے رکھنا چاہتے ہو تو ماہِ محرّم کے روزے رکھو، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ مہینہ ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے ایک قوم یعنی بنی اسرائیل کی توبہ قبول کی، اور اسی دن دوسرے لوگوں کی توبہ بھی قبول فرمائیں گے۔ (سنن ترمذی: رقم 741)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

صلی اللہ علیہ وسلم

رمضان کے بعد محرم

محرم الحرام کی حیثیت شروع ہی سے تقریباً سب ہی مذاہب کے یہاں چلی آرہی ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس مہینے میں ہم محنت کریں۔ دن اور رات عبادات کے اندر زیادہ وقت لگانے کی فکر کریں۔ محرم الحرام کا مہینہ رمضان المبارک کے بعد عبادت کے لیے بہت بابرکت مہینہ ہے۔ اس میں خوب عبادت کرنی چاہیے۔

عاشورہ کے واقعات:

دسویں محرم کو یہودی، عیسائی اور قریشِ مکہ عاشورہ کہتے ہیں۔ اس بارے میں مختلف واقعات تاریخ اور حدیث شریف میں ملتے ہیں۔ ان میں ایک بات تو یہ ہے کہ اس دن موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے فرعون سے نجات دی تھی۔ یعنی اس دن فرعون غرق ہو گیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا تھا۔ اہلِ یہود اس دن روزہ رکھتے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہوں۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن روزہ رکھا اور مسلمانوں کو روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔

(صحیح بخاری: رقم 1900)

رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے دسویں محرم کا روزہ ہماری شریعت یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں بھی فرض تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسویں محرم کا روزہ مکہ مکرمہ میں بھی رکھا کرتے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے اس وقت تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ 10 محرم کا معاملہ پہلے سے چلا آرہا ہے۔ بعض مؤرخین نے چند واقعات اور بھی لکھے ہیں ان

کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے "ماہنامہ" محرم الحرام 1436 ہجری، مطابق نومبر 2014ء کے شمارے میں یہ تفصیل بحوالہ چھپ چکی ہے:

یوم عاشورہ کی تاریخی اہمیت

1 یوم عاشورہ میں ہی آسمان وزمین، قلم اور حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔

2 اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔

3 اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔

4 اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہولناک سیلاب سے محفوظ ہوکر کوہِ جُودی پر لنگر انداز ہوئی۔

5 اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "خلیل اللہ" بنایا گیا اور ان پر آگ گلِ گلزار ہوئی۔

6 اسی دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

7 اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے سے رہا ہوئے اور مصر کی حکومت ملی۔

8 اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کی حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک طویل عرصے کے بعد ملاقات ہوئی۔

9 اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم واستبداد سے نجات حاصل ہوئی۔

10 اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی۔

11 اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت واپس ملی۔

12 اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کو سخت بیماری سے شفا نصیب ہوئی۔

13 اسی دن حضرت یونس علیہ السلام چالیس روز مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے بعد

نکالے گئے۔

14 اسی دن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول ہوئی اور اُن پر سے عذاب ٹلا۔

15 اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

16 اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے شر سے نجات دلا کر آسمان پر اُٹھایا گیا۔

17 اسی دن دنیا میں پہلی بارانِ رحمت نازل ہوئی۔

18 اسی دن قریش خانۂ کعبہ پر نیا غلاف ڈالتے تھے۔

19 اسی دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

20 اسی دن کوفی فریب کاروں نے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جگر گوشۂ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میدانِ کربلا میں شہید کیا۔

21 اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔

(نزہۃ المجالس: ۱/ ۳۴۷، ۳۴۸۔ معارف القرآن: پ ۱۱ آیت ۹۸۔ معارف الحدیث: ۴/ ۱۶۸)

اس کے علاوہ بھی واقعات دسویں محرم کے بارے میں آتے ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ یہ تاریخی واقعات ہیں جو سنداً کمزور بھی ہو سکتے ہیں۔ اللہ اعلم!

کم علمی کی باتیں:

خلاصہ یہ کہ دس محرم کی حیثیت پچھلی شریعتوں سے چلی آرہی ہے، اس کو فقط ایک واقعے سے مخصوص کر دینا غلط ہے۔ دیکھیے! ہم واقعہ کربلا کی کسی بات سے انکار نہیں کر رہے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بہت بڑا رتبہ، اور بہت بڑی قربانی ہے۔ لیکن باقی ساری شریعت کو چھوڑ کر ایک ہی چیز کو سامنے رکھ لینا اور سارا دین اس کے ساتھ جوڑ دینا یہ کم علمی کی بات ہے۔ اب ہمارے ہاں دس محرم کو کیا ہوتا ہے؟

کہیں کھیر بنتی ہے۔
کہیں حلیم بنتی ہے۔
کہیں پانی کی سبیل لگتی ہے۔
کہیں شربت کی سبیل لگتی ہے۔
کہیں کالے چنے، اور کہیں سفید چنے تقسیم ہوتے ہیں۔

آپ جو چاہیں بنائیں، لیکن اس دن کے ساتھ مخصوص کر دینا کہ یہ ڈش اسی دن بنانی ہے، یہ ایک عجیب سی بات ہے۔

بعضوں کے یہاں ایک اور بھی رسم ہے۔ وہ یہ کہ شادی کے بعد جو پہلا مہینہ محرم کا آتا ہے تو بیوی کو اس کی ماں کے ہاں چھوڑ آتے ہیں۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسی طرح کہیں پر روٹیاں پکا کر پھینکی جاتی ہیں۔ روٹی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اسے پھینکنا ویسے ہی گناہ ہے، یہ تو عزت کرنے کی چیز ہے۔

سوال یہ ہے کہ پھر ہم دسویں محرم کو ہم کیا طریقہ اختیار کریں؟ جواب آسان ہے۔ جو طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختیار کیا، اسی کو اختیار کرنے میں ہمارے لیے نجات ہے۔

دسویں محرم کا روزہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی خاص دن کا روزہ اہتمام سے رکھتے ہوں، اور اس کو کسی دوسرے دن پر فضیلت دیتے ہوں سوائے دس محرم کے دن یا رمضان۔ (صحیح بخاری: رقم 1902)

یعنی رمضان کے مہینے میں روزے بہت اہتمام کے ساتھ رکھتے تھے، اور دسویں

محرم کا روزہ نبی کریم ﷺ پورے اہتمام کے ساتھ رکھتے تھے۔ کسی اور دن کے روزے کا اتنا اہتمام آپ ﷺ نے نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ ہم 10 محرم کو روزہ رکھیں۔

دوسری حدیث حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ عاشورہ یعنی 10 محرم کا روزہ گزشتہ یعنی ایک سال پہلے کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ (صحیح مسلم: باب استحباب صیام ثلاثۃ أیام من کل شھر وصوم یوم عرفۃ وعاشوراء والاثنین والخمیس)

صغائر کی معافی:

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ 10 محرم کے روزے کی فضیلت میں گناہوں کی معافی کا جو ذکر ہوا ہے، اس سے مراد صغائر ہیں۔ صغیرہ گناہ بھی معاف ہو جائیں تو بہت بڑی بات ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ اپنے والد صاحب حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ میرے والد فرمایا کرتے تھے کہ اعمال اگر توبہ کی نیت سے کیے جائیں تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہ بھی معاف فرما دیں۔

کبیرہ گناہ کی معافی:

کبیرہ گناہ توبہ کے ذریعہ سے معاف ہوتا ہے اور اس کے لیے 3 شرائط ہیں:

ندامت: جو گناہ کر چکا اس پر شرمندگی ہو۔

ترکِ گناہ: فوراً سے اس گناہ کو چھوڑ دے۔ یعنی اس سے ہٹ جائے۔

عزم علی الترک: آیندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا پکا ارادہ کرے۔

بعد میں اگر گناہ پھر ہو جائے تو پھر دوبارہ سے توبہ کر لے۔ توبہ کرتے وقت گڑبڑ نہ ہو۔ شیطان یہاں گڑبڑ ڈال دیتا ہے۔ توبہ کرتے وقت یہ یقین ہو کہ اس سے اللہ تعالیٰ

گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

بعض کوتاہیوں کا ازالہ:

بعض حضرات ایسے ہیں جو 10 محرم کے روزے کو اتنی فضیلت دیتے ہیں کہ نمازیں چھوڑ دیتے ہیں، گناہوں میں بھی لگے رہتے ہیں۔ اور بعض ایسے بھی ہیں کہ اس روزے کو ہی نہیں مانتے۔ کہتے ہیں کہ دسویں محرم کا روزہ کچھ نہیں۔ عجیب عجیب معاملات ہیں۔

ہم پیارے نبی ﷺ کی زندگی کو دیکھیں کہ اس میں ہمارے لیے کیا راہنمائی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اپنی خلافت کے زمانے میں حج سے واپسی پر عاشوراء کے دن مدینہ منورہ تشریف لائے۔ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے: یہ عاشورہ 10 محرم کا دن ہے اور تمہارے اوپر اس دن کا روزہ فرض نہیں کیا گیا، لیکن میں روزے سے ہوں، تو جو شخص روزہ رکھنا چاہے وہ رکھ لے، اور جو نہ رکھنا چاہے وہ نہ رکھے۔ (صحیح بخاری: باب صیام یوم عاشوراء)

ایک حدیث شریف شروع بیان میں ذکر کی تھی کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے، تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو 10 محرم کے دن روزے رکھتے دیکھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اس دن کی تمہارے ہاں کیا خصوصیت ہے؟ یعنی تم اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ بڑا عظیم دن ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا تھا۔ چناں چہ ہم شکرانے کے طور پر اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے مقابلے میں ہم موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب

ہیں (کیوں کہ تم تو ان کے احکامات کو بھلا چکے ہو، ان کی شریعت کو بدل چکے ہو، اور ہم ملت ابراہیمی پر ہیں تو ہم تم سے زیادہ اس بات کے حق دار ہیں کہ اس دن کا روزہ رکھیں) چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود بھی 10 محرم کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی تلقین فرمائی۔

(صحیح بخاری: رقم 1900)

جیسا کہ بات گزری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ مکرّمہ میں یہ روزہ رکھتے تھے۔ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کے بعد عاشوراء کے روزے کی فرضیت کی منسوخی کا اعلان فرما دیا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر بھی رکھا اور یہ بھی فرما دیا کہ کوئی رکھنا چاہے تو رکھے، نہ رکھنا چاہے تو نہ رکھے۔

یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے بچنا:

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحبت یافتہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت کو اور شریعت کے مزاج کو پہچاننے والے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ ایک ایسا دن ہے کہ یہود و نصاریٰ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ اسی دن اگر ہم بھی روزہ رکھیں گے تو مشابہت ہو جائے گی (حالاں کہ ہمارے اور ان کے درمیان بڑا فرق ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ آیندہ اگلے سال اِن شاء اللہ ہم نویں محرّم کا روزہ ساتھ رکھیں گے۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ اگلا سال (محرّم) آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ (صحيح مسلم: باب أي يوم يصام في عاشوراء)

ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: عاشوراء کا روزہ رکھو، اور اس میں تم یہود کی مخالفت کرو، (عاشوراء سے) ایک دن پہلے کا روزہ رکھو یا ایک دن بعد کا (یعنی عاشوراء کے ساتھ

نویں یا گیارہویں کا روزہ ساتھ ملالو)۔ (مسند احمد: رقم 2155)

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد پر ذرا غور کریں کہ روزہ رکھنا کیا ہے؟ عبادت ہے۔ اور پہلے سے چلا آرہا تھا۔ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں بھی روزہ رکھا کرتے تھے، لیکن جب مدینہ طیبہ میں آئے اور یہ معلوم ہوا کہ یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے عبادت کرنے کا تو حکم دیا لیکن ساتھ میں مخالفت کا بھی حکم دیا۔ اسلام کی غیرت برداشت ہی نہیں کرتی کہ کلمہ پڑھنے والا، اللہ کو ایک ماننے والا، رسول اللہ ﷺ پر یقین رکھنے والا، آپ ﷺ کو اپنا نبی ماننے والا کسی غیر کے طریقے پر چلے۔ یہ اسلام کی غیرت اور حمیت برداشت نہیں کرتی، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر نہیں بلکہ کتنے ہی موقعوں پر یہ بیان فرمایا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکوں اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔

شیطان کے دوستوں کی مخالفت کیجیے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مشرکین پاجامہ تو پہنتے ہیں، لیکن لنگی نہیں باندھتے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم پاجامہ بھی پہنو اور لنگی بھی باندھو۔ اور جس قدر ہو سکے شیطان کے دوستوں کی مخالفت کرو۔ (مجمع البحرين في زوائد المعجمين: رقم 4227)

اور واضح سی بات ہے کہ کفار شیطان کے دوست ہیں۔ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کی تفصیلی حدیث میں اہلِ کتاب کی مخالفت کا ذکر ہے۔ (مسند احمد: رقم 21695)

حضرت ابو کریمہ مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے: اے لوگو! میں نے

رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم راہبوں اور پادریوں کے لباس سے بچو، اس لیے کہ جس نے رہبانیت اختیار کی یا اس کی مشابہت کی، وہ مجھ سے نہیں۔

(مجمع البحرين في زوائد المعجمين: رقم4226)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. (سنن أبي داود: رقم3512)

ترجمہ: ''جس نے جس کی مشابہت کی وہ اسی میں سے ہوگا''۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مراد اس سے ظاہری لباس، اور ظاہری کاموں میں کفار کی مشابہت سے بچنا ہے۔

سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ:

حضرت فاروق اعظم امیر المؤمنین ثانی رضی اللہ عنہ حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والے تھے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ (سنن ترمذی: رقم3686)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر کی زبان اور دل پر جاری کردیا ہے۔ (سنن ترمذی: رقم3682)

صحیح بخاری (رقم: 3294) اور صحیح مسلم (رقم: 2396) میں بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! (اے عمر) جس راستے سے شیطان تمہیں چلتا ہوا دیکھتا ہے وہ اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد

فرمایا: میں انسانوں اور جنات کے شیاطین کو دیکھتا ہوں کہ عمر سے بھاگتے ہیں۔
(سنن ترمذی: رقم 3691)

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عمر! حقیقت یہ ہے کہ شیطان تم سے ڈرتا ہے۔ (سنن ترمذی: رقم 3690)

اللہ اکبر کبیراً! کتنے فضائل ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے۔ ان کے دورِ خلافت میں جب فتوحات کا دروازہ کھلا اور بہت ساری مختلف قومیں مسلمان ہونے لگیں تو کچھ چیزوں کے خلط ملط ہونے کا خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں عجمیوں کے رسوم ورواج مسلمانوں میں نہ آجائیں۔ جیسے ہم پاکستان میں رہتے ہیں اور ہماری شادیوں میں ہندوؤں کی بہت ساری چیزیں موجود ہیں۔ آپ سعودیہ عرب چلے جائیں، افریقہ کے ممالک میں چلے جائیں، وہاں یہ چیزیں آپ کو نہیں ملیں گی۔ یہ اُبٹن، مایوں، مکلاوا، گود بھرائی اور اس طرح کی دیگر چیزیں ہندوانہ رسمیں ہیں۔ ایک مرتبہ مجھے کچھ ساتھیوں نے بتایا کہ آپ نے تو چند ہی نام لیے ہیں، اتنے سارے تو آپ بھول چکے ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے پتا ہی نہیں تو بھولنا کیا ہے۔ ہندوستان ہمارے بہت قریب ہے، کئی مسلمان وہاں سے ہجرت کرکے یہاں آئے ہیں، پہلے ہندوؤں کے ساتھ ہی رہن سہن تھا، اس لیے بہت ساری چیزیں ان کی ہمارے اندر آگئیں۔

بہرحال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی یہ خطرہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ نئی نئی عجمی قومیں جو مسلمان ہو رہی ہیں، ایمان قبول کر رہی ہیں تو ان کی گزشتہ چیزیں یا رواج مسلمانوں کے اندر آجائیں۔ اس پر انہوں نے حکم جاری کیا اور تمام ماتحت علاقوں میں خط بھیجا۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نقل کی ہے کہ ہماری (مسلمانوں کی) جماعت آذربائیجان میں حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی۔ ہمارے پاس امیر

المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خط آیا جس میں دیگر کئی احکامات کے منجملہ یہ بھی تھا:

وَعَلَيْكُمْ بِلِبَاسِ أَبِيكُمْ إِسْمَاعِيلَ ، وَإِيَّاكُمْ وَالتَّنَعُّمَ ، وَزِيَّ الْعَجَمِ.

ترجمہ: ''تم پر لازم ہے کہ اپنے باپ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا لباس پہنو، اور عیش وعشرت کی زندگی اور عجمیوں کی مشابہت سے بچو''۔

(شرح السنہ: رقم 3019)

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ مطہرہ کو زندگی کے ہر شعبے میں اختیار کریں۔

داڑھی رکھنا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھی کو بڑھاؤ، اور مونچھوں کو کٹواؤ۔ (صحیح بخاری: رقم 5553)

تاکہ اُن سے مشابہت نہ ہو۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ حدیث شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مجوس کی مخالفت کا ذکر ہے۔

سحری کرنا:

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سحری کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: سحری کرو، اس لیے کہ سحری (کھانے) میں برکت ہے۔

(صحیح بخاری: رقم 1923، صحیح مسلم: رقم 1095)

اہلِ کتاب جب روزہ رکھتے تو سحری نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ہمارے روزے اور اہلِ کتاب کے روزے کے درمیان سحری کھانے کا فرق ہے (کہ وہ سحری کیے بغیر روزہ

رکھتے ہیں، اور مسلمان سحری کر کے روزہ رکھتے ہیں)۔ (صحیح مسلم: رقم1096)

اس باریکی کو بھی آپ ﷺ نے دیکھا اور پھر اُمت کو بتایا۔ اسی طرح طلوعِ آفتاب، زوالِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے وقت سجدہ کرنے سے منع کیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ بہت ساری قومیں اس موقع پر سورج کی طرف متوجہ ہو کر عبادت کر رہی ہوتی ہیں۔ تو مسلمانوں کو منع کیا گیا تاکہ مسلمان اپنے تشخص کو برقرار رکھیں اور کسی طریقے سے بھی غیروں کے طریقے پر نہ جائیں۔ مشابہت بالکفار سے بچنا بے حد ضروری ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معاملہ ہے۔

ایک فکری سوال:

ایک فکری سوال ہے۔ کوئی پاکستانی فوجی انڈین آرمی کے لباس میں آجائے۔ پاکستان آرمی کا نوجوان ہو اور انڈین آرمی کے لباس میں اگر بالفرض آجائے۔ آپ اسے محبت کی نگاہ سے دیکھیں گے یا غصے کی نگاہ سے دیکھیں گے؟ لامحالہ غصے کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ ایسا کیوں؟ لباس سے کیا ہوتا ہے؟ وہ قسمیں کھائے، کلمے پڑھے کہ پاکستان کے آئین کی میں پوری لاج رکھوں گا، پاکستان کے لیے میں جان دے دوں گا، اندر سے میں پورا پاکستانی ہوں۔ بتائیے کہ آپ اس کو کیا درجہ دیں گے؟ آپ اس کی کوئی بات نہیں مانیں گے۔ اس سے یہی کہا جائے گا کہ تم دشمن کے روپ میں نظر آرہے ہو۔ غور کیجیے کہ کیا مسلمانوں کا کوئی تشخص نہیں ہے؟ ان باتوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ لباس کے اندر ہم اپنے آپ کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں پھر ان شاء اللہ آسانی ہوگی۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی اُمت کو ہمیشہ یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے منع کیا ہے۔

آخر کب ہم نبی کریم ﷺ کی باتوں کو مانیں گے۔ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کو شکل دکھانے کے لائق ہیں بھی یا نہیں؟ شفاعت کے لیے کس کے پاس جائیں گے؟ کون سے چہرے لے کر جائیں گے؟ کونسا لباس پہن کر جائیں گے؟ اپنے لباس کو ٹھیک کریں، اپنی اولادوں کے لباس کو ٹھیک کریں۔ نبی کریم ﷺ کی روحانی اولاد کا لباس کم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ پندرہ بیس سال کے بعد جو آج یورپ کا لباس ہے، جس Track پر ہم چل پڑے ہیں وہ لباس نظر آئے گا؟ مسجدیں اور مدارس ختم ہو جائیں گے، کلب اور نائٹ پارٹیز کے اڈے کھل جائیں گے۔ جو راستہ ہم نے پکڑا ہوا ہے، معاذ اللہ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔

غلط دیکھنے کے غلط اثرات:

آج کے میڈیا، اور بے ہودگی کے پروگرامز کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں گے تو نقصان تو ہوگا۔ میاں بیوی کے درمیان طلاق ہو چکی، پھر بھی ساتھ بیٹھے ہیں تو یہ حرام ہے۔ یہ کہاں سے سیکھ رہے ہیں؟ کون سکھا رہا ہے؟ کہتے ہیں کہ اولاد کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں۔ سوچیے کہ جس کی وجہ سے کر رہے ہیں، کل کو ان کا کیا حال ہوگا؟ جو غلط دیکھ رہے ہیں، اس کے غلط اثرات زندگی پر پڑتے ہیں۔ دین اسلام میں الحمد للہ، ثم الحمد للہ! کسی چیز کی کمی نہیں ہے کہ ہنود و یہود و نصاریٰ کے پروگرامز دیکھ کر اس کو پورا کریں۔ کبیرہ گناہ کو کبیرہ گناہ سمجھیں اور اس سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی سمجھ عطا فرمائے آمین۔

اچھا سوچیں:

ہم اپنی آخرت کی فکر کریں اور مشابہت سے بچیں۔ 10 محرم کا جب دن آئے تو

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو یاد رکھ لیجیے گا کہ 10 کے ساتھ 9 یا 11 کو ملانا ہے۔ پھر 9 یا 11 کو جب روزہ رکھیں تو سوچیں کہ کیوں میں آج روزہ رکھ رہا ہوں؟ اس لیے رکھ ہوں کہ مجھے یہود کی مخالفت کرنی ہے، غیروں کی مخالفت کرنی ہے۔ پھر سوچیں کہ کیا ایک روزے کے معاملہ میں ہی کرنی ہے؟ اور باقی معاملوں میں چھوٹ ہے؟ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی اور دیگر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا آمنا سامنا ہوگا تو پتا نہیں کہ یہ حضرات ہمیں مسلمان قبول بھی کریں گے یا نہیں۔ رسوم ورواج کے لیے جان دینا ہمارے لیے آسان ہوگیا ہے، اور سنت پر عمل مشکل۔ کسی کو کہو کہ سنت کے مطابق شادی کرلو، تمہاری شادی میں کوئی گناہ نہیں ہونا چاہیے۔ جواب کیا آتا ہے؟ ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے آمین۔

عاشوراء کے دن وسعتِ رزق:

عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں پر رزق میں وسعت کے بارے میں چند باتیں بیان کی جارہی ہیں۔

پہلی بات: اس سلسلے میں جتنی روایات بھی منقول ہیں، وہ ضعف سے خالی نہیں۔

دوسری بات: محدثین کے نزدیک یہ سب روایات مل کر قابلِ عمل ہوتی ہیں۔

یہ دونوں باتیں کتاب ''ماثبت بالسنۃ'' کے صفحہ 17 پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1052 ہجری) نے تحریر کی ہیں۔

اب وہ روایات بیان کی جارہی ہیں کہ جس میں توسّعِ رزق یوم عاشوراء کا ذکر ہے۔

1 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ وَسَّعَ عَلَى عِيَالِهِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ لَمْ يَزَلْ فِي سَعَةٍ سَائِرَ سَنَتِهِ.

(المعجم الكبير: رقم 9868)

ترجمہ: ''جس نے اپنے گھر والوں پر عاشوراء (دسویں محرم) کے دن وسعت کی، وہ پورے سال کشادگی میں ہوگا''۔

2 حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا:

من وسّع على نفسه وأهله يوم عاشوراء وسّع الله عليه سائر سنته.

قال جابر: جرّبناه فوجدناه كذلك. (الاستذكار لابن عبد البر: 10\140)

ترجمہ: ''جو اپنے آپ پر اور اپنے گھر والوں پر عاشوراء (دسویں محرم) کے دن وسعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال وسعت فرمائیں گے''۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ہم نے اس کا تجربہ کیا، تو اس کو ایسا ہی پایا''۔

3 سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من وسّع على أهله ليلة عاشوراء وسّع الله عليه سائر سنته.

(الاستذكار لابن عبد البر: 10\140)

ترجمہ: ''جس نے اپنے گھر والوں پر عاشوراء کی رات کشادگی کی، اللہ تعالیٰ پورے سال اس پر کشادگی فرمائیں گے''۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت ہی عظیم محدث گزرے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے عاشورہ کے دن وسعت کرنے کا تقریباً پچاس سال یا ساٹھ سال تجربہ کیا (ایک روایت کے مطابق) اس کو بہترین پایا (دوسری روایت کے مطابق) صحیح پایا۔

(مسائل ابن هانئ للامام أحمد: 1/136-137)

وسعت گھر والوں پر کیجیے، نہ کہ کسی اور پر:

اس پورے کلام کے بعد یہ بات تو سو فیصد معلوم ہوگئی کہ وسعت کی ترغیب گھر والوں کے لیے ہے، نہ کہ ساری دنیا والوں کے لیے۔ نبی کریم ﷺ نے جتنا بتایا ہے ہم اتنا ہی سمجھیں یعنی اپنے پر اور اپنے گھر والوں پر۔ اب اگر کوئی لوگوں کو کھلانا چاہے، تو منع نہیں ہے لیکن اس کے لیے 10 محرم کی تخصیص ٹھیک نہیں ہے۔ آپ مدرسے میں طلبا کو، غربا کو، رشتہ داروں کو جب مرضی ہو کھلائیں۔ اس کے لیے 10 محرم ہی کا دن مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے۔

نیک اعمال بقدر ہمت:

اب بات یہ ہے کہ دوسروں کو عاشوراء کے علاوہ کیا کھلائیں؟ کیا بریانی کی دیگ، حلیم کی دیگ وغیرہ کا ہونا ضروری ہے؟ اَلمیہ یہ ہے کہ ساری زندگی بہت کچھ دنیا کے تجربے، اور لوگوں کے مزاج کو سمجھنے میں لگا دیتے ہیں، لیکن شریعت کا مزاج سمجھنے لیے، تفقہ فی الدین کے لیے کوئی وقت نہیں دیتا الا ماشاء اللہ۔ شریعت کا حسین مزاج یہ ہے کہ تکلیف مالا یطاق نہ ہو۔ یعنی بندے کو اس حکم کا مکلف نہ کیا جائے جس کے کرنے کی اس میں صلاحیت ہی نہیں رکھی گئی۔ بات کو صحیح طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کی بناوٹ ایسی رکھی ہے کہ جتنے نیک کام کرنے کا اس کو حکم دیا گیا ہے، اُن سب کے کرنے کی اس میں صلاحیت ہے۔ جیسے نماز پڑھنے کی، روزہ رکھنے کی، مال ہے تو زکوۃ ادا کرنے کی صلاحیت وغیرہ۔ اور جتنے گناہوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس بدن میں اس سے رکنے کی طاقت ہے کوئی پہلوان استعمال تو کرے۔ اسی طرح اوروں کو کھانا کھلانے میں کوئی لمبا چوڑا حکم نہیں ہے، بلکہ جیسی جس کی ہمت ہے اس کے حساب

سے اپنی صلاحیت کو بروئے کار لائے۔ مثلاً گھر میں فروٹ زیادہ آ گیا، کھانا تھوڑا زیادہ بنا لیا، یا کوئی مناسب کپڑا استعمال میں نہیں آ رہا تو اِن سب صورتوں میں ہم دوسروں کو ہدیہ دے کر اُن کا دل جیت سکتے ہیں۔ کوئی واہ واہ نہیں، کوئی تعریفوں کے پُل باندھنے والی بات نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جتنا کر سکتے ہیں اتنا کریں۔

خدمتِ خلق میں مبالغہ آرائی سے گریز:

اس کھانا کھلانے میں، دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے میں عام طور پر یہ دھوکہ لگ جاتا ہے کہ جی ہم بہت بڑا کام کر رہے ہیں، اب باقی تمام دین سے چھٹی۔ سارا سال فجر نہیں پڑھنی، اور باقی نمازیں بھی مرضی ہوئی تو پڑھ لی۔ سودی نظام چلا رہے ہیں۔ اور اس کے لیے لوگوں سے اُن کا مال لے رہے ہیں، اور من مرضی سے استعمال کر رہے ہیں۔ ان سب کے بعد کیا ساری شریعت ختم ہو جائے گی؟ بھئی! ہر عبادت کا حکم اپنی جگہ ہے۔ عبادات کو آپس میں ٹکرانے کی کوشش نہ کریں۔ ہر عمل کو اس کے درجے میں کریں جس درجے میں وہ ہے۔

واقعہ کربلا میں اعتدال:

جب ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات اور اُن کی بہترین دینی تربیت کا مطالعہ کریں گے، تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگی کہ دینِ اسلام میں اعتدال کا بہت اہتمام ہے۔ اور اِفراط وتفریط سے بچنا ہے۔ 10 محرم کی حرمت اور عزت صرف واقعہ کربلا کے ساتھ نہیں ہے، یہ تو گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کے زمانے سے چلتی آ رہی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ چناں چہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت جو 10 محرم کو ہوئی، وہ اہلِ بیت میں سے ہیں۔ اُن کا بہت بڑا مقام ہے۔ ان کے مقام کے بارے میں رائی

کے دانے کے برابر بھی کچھ کمی کر دی تو نقصان ہو جائے گا۔ اپنے ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔ اُن کا مقام بہت بلند، قربانی بہت عظیم ہے۔ ہم یوں کہیں گے کہ اس عظیم قربانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے عظیم شخصیت کو عظیم دن میں فضیلت دی۔ قربانی بھی عظیم، خاندان بھی عظیم، شخصیت بھی عظیم، واقعہ بھی عظیم، اور اس عظیم واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم دن کے ساتھ نسبت دے دی۔ اگر پانچ دن پہلے یا پانچ دن بعد یہ واقعہ ہوتا، تب بھی 10 محرّم کی عظمت اور عزّت اپنی جگہ رہتی۔ صحابہ کرام اور اہلِ بیت رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کا بڑا مقام ہے، ہم کسی کی بھی عظمت میں کمی نہیں کر سکتے۔

غلط فہمی کا اِزالہ:

بعض لوگ محرّم کے مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں اور اس مہینے میں شادی نہیں کرتے۔ یہ معاملہ بھی لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ کوئی دن، کوئی وقت اور کوئی بھی زمانہ منحوس نہیں ہوتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بنی آدم مجھے ایذا دیتا ہے یعنی میری شان کے خلاف بات کہتا ہے۔ وہ زمانے کو برا بھلا کہتا ہے حالاں کہ زمانہ تو میں خود ہوں یعنی زمانہ میرے تابع ہے اور میرے ماتحت ہے، میرے ہی قبضہ قدرت میں ہے۔ اور میں ہی رات اور دن کو پلٹتا ہوں۔

(صحیح بخاری: رقم 4826، صحیح مسلم: رقم 2246)

اس لیے کسی بھی دن یا مہینے کو منحوس سمجھنا مناسب نہیں۔ نحوست کا دن کسی بھی شخص کے حق میں وہ ہے جس دن کی اس کی فجر چلی گئی، تلاوت نہیں کی، پورا دن گزر گیا اور کچھ گھڑی بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کیا۔ اس لیے جب محرم الحرام کی عظمت دل میں ہوگی تو کسی طور سے کوئی اسے نحوست کی طرف منسوب نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کا خیال

اور رجحان یہ ہوگا کہ اس عظمت والے مہینے میں شادی کرنے سے تو برکت ہوگی۔ شروع میں ماہنامہ دار العلوم دیوبند سے یہ بات پیش کی گئی تھی کہ حضور ﷺ اور اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا نکاح محرّم الحرام کے مہینے میں ہوا ہے۔ اس سے بڑی دلیل اور کیا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ربّ العزّت ہمیں دونوں جہاں کی عزّتیں اور برکتیں عطا فرمائے۔ یہ بارہ کے بارہ مہینے اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔ اس میں ہم اللہ تعالیٰ کو منانے کی فکر کریں۔ یہ تو آدمی جانتا ہے کہ کب اس دنیا میں وہ آیا ہے، لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ کب اس دنیا سے واپس جائے گا۔ اس لیے نافرمانی والی زندگی کو چھوڑ کر فرماں برداری والی زندگی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

وَاٰخِرُ دَعوَانَا أَنِ الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ.

پسندیدہ گوشت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (الاحزاب:21)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنت کے راستے:

حضور پاک ﷺ کی زندگی ہمارے لیے اُسوۂ حسنہ ہے۔ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ اور مشعلِ راہ ہے۔ حضور پاک ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ قیامت تک اس میں سے ہیرے موتی نکلتے چلے جائیں گے۔ حضور

پاک ﷺ افضل الانبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو بہترین خصوصیات عطا فرمائیں، لیکن نبی کریم ﷺ کو جو خصوصیات عطا فرمائیں وہ کسی اور کو نہیں دیں۔ سب سے افضل کتاب قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عطا فرمائی۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کو جو اعمال ملے، وہ بھی جامع اعمال ہیں۔ آپ ﷺ کا نماز پڑھنا، آپ ﷺ کا حج ادا کرنا وغیرہ گزشتہ اُمتوں کے تمام اعمال کو جامع ہے۔ ملا عبدالرحمن جامی رحمہ اللہ کا مشہور شعر ہے:

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

ترجمہ: ''حضور پاک ﷺ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن رکھتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دَم (وہ الفاظ جس سے وہ مُردوں کو زندہ کرتے تھے) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سفید ہاتھ والا معجزہ رکھتے ہیں۔ وہ تمام کمالات جو باقی سب حسینوں (یعنی نبیوں) کے پاس تھے وہ تنہا آپ ﷺ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیے''۔

نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہوا دین قیامت تک کے لیے کامل، اکمل اور مکمل ہے۔ اب قیامت تک کے لیے ایک ہی راستہ ہے جنت میں جانے کا۔ وہ کون سا ہے؟ صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کے طریقوں پر چلنا۔ جو نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر چلتا چلا جائے گا وہ اِن شاء اللہ جنت میں چلا جائے گا۔ عارف باللہ حضرت شاہ حکیم اختر صاحب رحمہ اللہ کا شعر بہت ہی پیارا ہے۔ فرماتے ہیں:

نقشِ قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

سبحان اللہ! کتنا پیارا شعر ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری اُمت کی طرف سے حضرت کو

جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ اگر ہم سنت پر عمل کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ سے ہماری ملاقات قیامت کے دن اس حال میں ہوگی کہ اللہ ہم سے راضی ہوں گے۔

رضائے الٰہی کا پیمانہ:

لوگ کہتے ہیں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے۔ اچھا! آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ کہتے ہیں کہ جی! گھر میں بیماریاں آگئیں، مال ختم ہوگیا، قرض چڑھ گیا، تکلیفیں آگئیں تو لگتا ہے کہ اللہ ناراض ہیں۔ ارے بھئی! یہ پریشانیاں، یہ تکلیفیں اللہ سے دوری کی نشانیاں نہیں ہیں۔ آسان ترین بات میری نظر میں یہ ہے کہ اپنی زندگی کو دیکھیں کہ سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر ہماری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مطابق گزر رہی ہے یا ہم اس کے حصول کی کوشش کر رہے ہیں، فکر لگ گئی اور ہماری زندگی میں ایک ایک سنت آ رہی ہے، تو اِن شاء اللہ العزیز ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہیں۔ کیوں کہ جس سے اللہ راضی ہوں گے اس کو اتباعِ سنت کی توفیق دیں گے، اور جس سے اللہ ناراض ہوں گے تو اسے اتباعِ سنت کی توفیق نہیں ملے گی، وہ اپنا وقت اِدھر اُدھر ضائع کرے گا۔ بدعات کے اندر، رسوم ورواج کے اندر، اور دوسرے کاموں کے اندر۔ خلاصہ یہ کہ اتباعِ سنت اللہ تعالیٰ کی رضا کی نشانی ہے۔

اس کے لیے ہم اُن کتابوں کا مطالعہ کریں جس سے ہماری زندگی میں سنت اعمال زندہ ہو جائیں۔ گلدستہ سنت کے مواعظ بھی اسی مقصد کی تکمیل کے لیے کتابی شکل میں جمع کیے جا رہے ہیں تاکہ کسی بھی مسلمان بھائی یا بہن کو موقع کی سنت پڑھ کر عمل میں آسانی پیدا ہو۔

آج کی مجلس میں اِن شاء اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسندیدہ غذا کا بیان ہوگا۔ کھانا، پینا

ہماری زندگی کا ایک حصہ ہے۔ اگر یہی حصہ سنت کے مطابق ہو جائے تو بہت ساری خیر کا باعث بن جائے۔ لوگ اپنے گھروں کے لیے سامان خریدتے ہیں، سودا خریدتے ہیں تو وہ چیزیں خریدلیں جو سنت کے مطابق ہیں، جو نبی کریم ﷺ کو پسند ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو عبادت بھی ہو گئی اور اپنی حاجت بھی پوری ہو جائے گی۔

سید الطعام:

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا والوں اور جنت والوں کے کھانوں کا سردار گوشت ہے۔ (سنن ابن ماجہ:311/2)

قرآنِ پاک میں اللہ ربّ العزّت کا اہلِ جنت کے لیے ارشاد ہے:

وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ (الواقعہ:21)

ترجمہ: ''اور پرندوں کا وہ گوشت لے کر جس کو اُن کا دل چاہے''۔

معلوم ہوا کہ اہلِ جنت شوق سے جنت میں گوشت کھائیں گے۔ گوشت کھانا سنت ہے، اسے اتباعِ سنت کی نیت سے کھائیں۔

روزانہ گوشت نہ کھائیں:

نبی کریم ﷺ کو گوشت پسند تھا، لیکن روزانہ گوشت کھانے کا کوئی اصرار یا چاہت نہیں تھی۔ وہاں تو تین تین چاند گزر جاتے اور گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ اس لیے گوشت بالکل نہ کھانا اور اسے غلط سمجھنا، خود غلط ہے۔ اور روزانہ کھانا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ جہاں اس کے بے شمار فوائد ہیں، وہاں نقصانات بھی ہیں۔ علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انسان روزانہ گوشت کا استعمال نہ کرے، اس سے خون میں اَمراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور فرمایا کہ جو چالیس (40) دن تک روزانہ گوشت ہی گوشت

کھائے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اس وجہ سے گوشت کھانے میں ناغہ کیا کرتے تھے۔ اعتدال کے ساتھ رہیں کہ کبھی گوشت کھائیں اور کبھی اللہ تعالیٰ کی باقی نعمتیں کھائیں۔

دستی کا گوشت:

نبی کریم ﷺ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس گوشت لایا گیا، اور آپ کو اس میں سے دستی پیش کی گئی، آپ ﷺ اس میں سے شوق سے نوچ کر کھا رہے تھے۔ (سنن ترمذی: رقم 1837)

نبی کریم ﷺ دستی پسند فرماتے تھے، کیوں کہ یہ جلدی پک جاتی ہے اور لذیذ ہوتی ہے۔ یہاں پر ہمارے لیے ایک سبق ہے۔ وہ یہ کہ کھانا ایسا پکائیں جو جلدی پک جائے۔ اب ایسا کھانا جس میں گھنٹوں تیاری میں لگیں تو دین کا کام بندہ کب کرے گا؟

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کے پاس کسی نے ہدیۃً بکری کا گوشت بھیجا۔ میں نے اسے پکنے کے لیے ہانڈی میں ڈال دیا۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو (ہانڈی کو اُبلتا دیکھ کر) دریافت فرمایا کہ اے ابو رافع! اس میں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بکری کا گوشت ہدیۃً آیا تھا، میں نے پکنے کے واسطے ہانڈی میں ڈالا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو رافع! مجھے دستی دو۔ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دستی آپ ﷺ کو پیش کی، آپ ﷺ نے نوش فرمالی۔ پھر آپ ﷺ دوبارہ طلب کی تو میں نے دوسری بھی نکال کر نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کردی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے تیسری مرتبہ دستی طلب فرمائی تو میں نے عرض کیا:

إنما للشاة ذراعان. (مشکاۃ المصابیح: رقم 327، الفصل الثالث، باب مایوجب الوضوء)

ترجمہ: ''اے اللہ کے رسول! بکری کے اندر تو دو ہی دستی ہوتی ہیں''۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر تم چپ رہتے اور میں طلب کرتا رہتا اور تم ہانڈی میں سے نکالتے رہتے تو ہانڈی میں سے دستیاں نکلتی رہتیں۔ پھر آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور کلی فرمائی، اور اپنی انگلیوں کے کناروں کو دھویا، اور نماز ادا فرمائی۔

شارحینِ حدیث لکھتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ کے صحابی آپ ﷺ کے کہنے پر ہانڈی میں سے دستی نکالتے رہتے تو یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہوتا۔ انہوں نے اپنی سمجھ سے ایک بات کہی جس کی وجہ سے یہ معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ اسی لیے عرض ہے کہ بڑوں کی بات پر قیاس سے کام نہ لیں۔ جو بڑے کہہ رہے ہیں محض تعمیل کر لیں خاموشی سے بغیر چوں وچراں کے۔ اپنی عقل کو شریعت دائرے میں رہتے ہوئے استعمال کرے۔ اس پر کئی واقعات شاہد ہیں جو امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں ذکر کیے ہیں۔

یہودی عورت کا نبی علیہ السلام کو زہر دینا:

ابھی یہ بات گزری کہ حضور اقدس ﷺ کو دستی کا گوشت بہت مرغوب تھا اور اسی میں آپ ﷺ کو زہر دیا گیا تھا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابنِ شہاب زہری کی روایت سے واقعہ نقل کیا ہے کہ فتحِ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھنا ہوا گوشت جو بکری کا تھا، ہدیۃً دیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس نے ایک خطرناک منصوبہ بنایا تھا۔ وہ یہودی عورت یہ جانتی تھی کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں آچکی ہیں۔ جب آپ ﷺ اپنی زوجہ مطہرہ کے پاس تشریف لائیں گے تو کھانا کھائیں گے۔ چناں چہ اس نے پہلے تو یہ معلوم کیا کہ آپ ﷺ کو گوشت میں کونسا حصہ پسند ہے۔ پھر جب اسے پتا چلا تو اس نے دستی اور شانے کے گوشت میں زہر ملا دیا خصوصاً دستی میں زیادہ ڈالا۔ حضور پاک ﷺ ایک صحابی حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ اور

دیگر صحابہ کے ساتھ تشریف لائے۔ چناں چہ کھانا سامنے پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے دستی میں سے گوشت نوچا، اور اُن صحابی حضرت بشر نے نوچا اور کھالیا تو محسوس ہوا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے، لیکن ضبط کیا کہ کہیں آقا ﷺ محسوس نہ کریں کہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اپنے ہاتھوں کو روک لو، اس لیے کہ بکری کا گوشت مجھے بتارہا ہے کہ اس میں کچھ ملا ہوا ہے۔ حضرت بشر جو کھا چکے تھے، آخر انہیں قے ہوئی اور بہت تکلیف ہوئی۔ آپ ﷺ کو بھی اس کا کچھ نہ کچھ اثر پہنچ گیا تھا۔ چناں چہ کبھی کبھی آپ ﷺ پر تکلیف کا باعث بن جاتا تھا۔ اور اسی زہر نے حضور پاک ﷺ کے وصال کے وقت اپنا اثر زیادہ دکھایا اور نبی کریم ﷺ کی شہادت کا ذریعہ بنا۔

(دلائل النبوۃ: 4/360)

پیٹھ کا گوشت:

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یقیناً بہترین گوشت (جانور کی) پیٹھ کا ہے۔ (مسند احمد: 203/1)

شانے کا گوشت:

حضرت عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے بکری کے شانے کا گوشت کاٹ کر کھارہے ہیں۔ (صحیح بخاری: رقم 5092)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شانے کی ہڈی کا گوشت کھایا، پھر اُٹھ کر نماز پڑھی اور نیا وضو نہیں کیا۔ (صحیح بخاری: رقم 5010)

گردن کا گوشت:

گردن کا گوشت بھی آپ ﷺ کو پسند تھا۔ حضرت ضُباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے

چچا زبیر بن عبد المطلب کی بیٹی تھیں۔ فرماتی ہیں کہ اُن کے گھر میں بکری ذبح کی گئی۔ نبی کریم ﷺ کو پتا لگا تو آپ ﷺ نے پیغام بھیجا کہ اپنی بکری میں سے ہمیں بھی کھلاؤ۔ جب قاصد وہاں گیا تو حضرت ضُباعہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ سوائے گردن کے کچھ باقی نہیں، اور مجھے حیا آتی ہے کہ فقط گردن میں آپ ﷺ کے پاس بھیجوں۔ قاصد نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر یہ بات بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور ضُباعہ سے کہو:

أَرْسِلِي بِهَا فَإِنَّهَا هَادِيَةُ الشَّاةِ ، وَأَقْرَبُ الشَّاةِ إِلَى الْخَيْرِ وَأَبْعَدُهَا مِنَ الأَذَى.

(المعجم الكبير للطبراني: رقم 20336)

ترجمہ: ”یہی بھیج دے یہ جانور کا اگلا حصہ ہے۔ ہر اچھائی سے قریب ہے اور ہر گندگی (پیشاب، پاخانہ) سے دور ہے“۔

معلوم یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو بکری اور اُونٹ کا گوشت مرغوب تھا۔ اور اِن میں بھی دستی، پیٹھ، شانہ اور گردن چار قسم کے گوشت نبی کریم ﷺ کو پسند تھے۔

بھنی ہوئی کلیجی کھانا:

حضور نبی کریم ﷺ اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی گوشت کو سالن کے ساتھ بناتے تھے، اور کبھی صرف بھون کر کھا لیتے تھے۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم ایک سو تیس آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس کھانا ہے؟ ایک شخص کے پاس ایک صاع یا اسی طرح کچھ اَناج تھا۔ چناں چہ اسے گوندھ کر آٹا بنا دیا گیا۔ پھر ایک لمبے قد کا، بکھرے ہوئے بالوں والا مشرک بکریاں چراتے ہوا آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: تم بکریاں بیچتے ہو یا یونہی بطور ہدیہ دیتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، بلکہ بیچتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ایک بکری اس سے خرید لی۔ پھر اس بکری کو

ذبح کر کے اس کا گوشت بنایا گیا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اس کی کلیجی کو بھون دیا جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ایک سوتیس آدمیوں میں سے ہر ایک کو آپ ﷺ نے اس کا حصہ دیا، اور اس وقت اگر کوئی موجود نہیں بھی تھا تو اس کا حصہ الگ نکال کر رکھا۔ اور دو پیالوں میں آپ ﷺ نے گوشت نکالا، سب نے سیر ہو کر کھایا اور پھر بھی گوشت پیالوں میں کچھ بچ رہا۔ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس بچے ہوئے گوشت کو میں نے اُونٹ پر لا دلیا۔ (صحیح مسلم: رقم 2056)

اس حدیث میں آپ ﷺ کے دو معجزے ہیں: ایک تو کلیجی میں برکت، دوسرا بکری میں برکت۔ قربانی کے موقع پر ہمارے یہاں بھی کلیجی پہلے کھائی جاتی ہے۔ ایک عام رواج ہمارے یہاں یہی ہے۔ الحمدللہ! اس میں بہت آسانی ہے۔

بھنا ہوا گوشت:

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ مسجد میں بھنا ہوا گوشت کھایا۔ (شمائل ترمذی: رقم 159)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات حضور ﷺ کا مہمان بنا۔ کھانے میں بھنا ہوا گوشت لایا گیا۔ حضور ﷺ گوشت کو چاقو سے کاٹ کاٹ کر مجھے کھانے کے لیے دے رہے تھے۔ (مشکاۃ المصابیح: رقم 4236)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے گھر والوں سے کہا کہ حریرہ بناؤ۔ (حریرہ آٹے اور دودھ کو ملا کر بنایا جاتا ہے۔ عرب بطورِ غذا استعمال کرتے تھے) جب حریرہ تیار ہو گیا تو میرے والد نے مجھ سے کہا: جاؤ جا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرو تا کہ آپ ﷺ اسے کھالیں۔ فرماتے ہیں کہ میں لے آیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: جابر! یہ کیا ہے؟ کیا یہ گوشت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، یہ تو حریرہ ہے

جو میرے والد نے بنوا کر آپ کے لیے بھیجا ہے۔ بہر حال آپ ﷺ نے وہ قبول فرما لیا۔ پھر میں اپنے والد کے پاس واپس آیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ جو ہدیہ تم نے حضور ﷺ کو دیا تھا، کیا حضور ﷺ نے اسے دیکھا تھا؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ والد صاحب نے کہا کہ کیا انہوں نے کچھ ارشاد فرمایا تھا؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ والد صاحب نے پوچھا کہ کیا فرمایا تھا؟ اس پر میں نے ساری بات سنا دی۔ والد صاحب کہنے لگے کہ اچھا! ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گوشت کھانے کی خواہش ہو۔ پھر والد صاحب نے گھر کی پلی ہوئی بکری کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد گھر والوں نے گوشت کو بھونا اور مجھے حکم ہوا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ۔ میں آپ ﷺ کے پاس دوبارہ حاضر خدمت ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے جابر! یہ کیا ہے؟ میں نے والد صاحب کی ساری بات سنا دی اور عرض کیا کہ اب میں آپ کے لیے بھنا ہوا گوشت لے کر آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری طرف سے تمہارے قبیلہ انصار کو بہترین بدلہ دے، خاص طور پر عمرو بن حرام کے خاندان کو، اور خاص طور پر سعد بن عُبادہ کو (یہ انصار کے سردار تھے)۔

(تاریخ مدینہ دمشق:237,236/4)

اللہ اکبر! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ سے کتنی محبت تھی، نبی کریم ﷺ سے کتنی محبت تھی کہ آپ ﷺ کی خواہش کو بھی بھانپ لیا کہ آپ ﷺ کو گوشت کی رغبت ہے۔ حالاں کہ آپ ﷺ نے فقط اتنا پوچھا تھا کہ گوشت لائے ہو؟ اور اس میں خواہش کا کوئی اظہار نہیں تھا، لیکن محبت اور عشق کی وجہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد نے گھر کی پلی ہوئی بکری ذبح کر ڈالی اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے بھنا ہوا گوشت آپ ﷺ

کی خدمت میں پیش کیا۔آپ ﷺ نے تناول فرمایا۔آپ ﷺ کا وضو پہلے سے تھا تو گوشت کھانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے دوبارہ وضونہیں کیااور نماز پڑھی۔

(تاریخ مدینہ دمشق:237/4)

ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ بعض اوقات گوشت کو بغیر روٹی کے بھی کھایا کرتے تھے۔اور اہلِ عرب کی عادت بھی تھی کہ وہ گوشت کو بغیر روٹی کے بڑے شوق سے کھایا کرتے تھے۔اس کے علاوہ گوشت کے اگر ٹکڑے لمبے کردیے جائیں اور اس میں نمک وغیرہ لگا کر سکھا لیا جائے تو ایسے گوشت کو کئی ہفتے محفوظ رکھ کر کھایا جاسکتا ہے۔گوشت کو اس طریقے سے رکھنا،اور اس طرح سے کھانا سنت ہے۔یہ توکل اور زُہد کے منافی نہیں۔بغیر فرج کے بھی گوشت کو بھی سنبھال کر رکھا جاسکتا ہے۔

شوربے دار گوشت:

بھنے ہوئے گوشت کے بعد اب شوربے دار گوشت کی بات کرتے ہیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے نبی کریم ﷺ کو کھانے کی دعوت دی۔میں بھی اس کھانے میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک تھا تو وہاں جَو کی روٹی،شوربہ جس میں گوشت اور لوکی تھی۔کھانا شروع ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ برتن کے چاروں طرف سے لوکی کو تلاش کررہے تھے۔بس اس دن سے مجھے بھی لوکی سے محبت ہوگئی (اور میں لوکی کو رغبت سے کھانے لگا)۔ (سنن ابی داود: رقم 3782)

دیکھیں! صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت کیا تھی کہ جو چیز نبی کریم ﷺ کو پسند وہ ہمیں بھی پسند۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے شوربے والا گوشت بھی استعمال فرمایا ہے۔اور بعض مرتبہ قربانی کے موقع پر شوربے دار گوشت بنوایا،اس کو استعمال کیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب تم گوشت پکاؤ تو سالن زیادہ کردو، (یا پانی زیادہ کرو) اس لیے کہ اس میں پڑوسی کو پہنچانے میں آسانی ووسعت ہوگی۔ (مجمع الزوائد: رقم 7881)

حضرت عبداللہ مُزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو گوشت خریدے اسے چاہیے کہ اس کا شوربہ زیادہ رکھے کہ اگر کسی کو بوٹی نہ ملی تو شوربہ مل جائے گا، اور یہ (شوربہ بھی) تو گوشت ہے۔ (سنن ترمذی: رقم 1832)

یعنی گوشت کا پورا پورا اثر شوربے کے اندر آجاتا ہے۔ عقل دَنگ رہ جاتی ہے کہ کیسے کیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کو طریقے بتائے ہیں۔

حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے دوست نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس بات کی وصیت فرمائی کہ جب شوربہ بناؤ تو پانی زیادہ رکھو، پھر اپنے پڑوسیوں کو دیکھو، اور انہیں طریقے سے یہ شوربہ بھیج دو۔ (صحیح مسلم: رقم 2625)

لوکی یا کدو کھانا:

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جب تم شوربہ بناؤ تو اس میں کدو زیادہ ڈالو، یہ غمزدہ دل کو قوت دیتا ہے۔ (الآداب الشرعیۃ: فصل فی خواص القرع)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدو کو پسند کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ یہ میرے بھائی یونس (علیہ السلام) کا درخت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے سمندر سے جب انہیں باہر نکالا تو اُن کے لیے بطورِ غذا اسی کو طے کیا۔ (إحیاء العلوم: 371/2)

نیل گائے کا گوشت:

جب عمرہ یا حج کی نیت ہو تو احرام باندھ کر تلبیہ پڑھنے سے آدمی مُحرِم بن جاتا ہے۔ اب اس کے لیے احرام کی پابندی ضروری ہوجاتی ہے یہاں تک کہ وہ احرام

سے عمرہ یا حج کے ارکان ادا کر کے فارغ ہو جائے۔ ہوا یہ کہ آپ ﷺ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احرام باندھا، لیکن حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے احرام نہیں باندھا اور نیل گائے کا شکار کر کے لائے۔ صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا کہ کیا ہم یہ شکار کیا ہوا گوشت کھا سکتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے اُن سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں نے شکار کرنے میں کوئی رہبری، کوئی معاونت کی تھی؟ عرض کیا کہ بالکل نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم کھا سکتے ہو۔ ابو حازم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے نیل گائے کی بازو کی ہڈی آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی تو آپ ﷺ نے قبول فرمائی، اور ہڈی سے گوشت کو نوچ کر تناول فرمایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ ٹانگ کا گوشت پیش کیا جو آپ ﷺ نے لے لیا اور تناول فرمایا۔ تیسری روایت میں ہے کہ دستی پیش کی جو آپ ﷺ نے تناول کی۔ یہ ساری روایات فتح الباری شرح صحیح بخاری(باب لایشیر المحرم الی الصید۔۔۔) میں لکھی ہوئی ہیں۔

آپ ﷺ اس ہڈی کو جس میں گوشت لگا ہوا ہوتا، پسند فرماتے تھے۔ نہایت رغبت سے ہڈی کو پکڑ کے گوشت کو نوچ کر تناول فرماتے۔ اکثر تو دانتوں سے نوچ کر کھاتے کبھی چاقو سے کاٹ کر بھی تناول فرماتے۔ آپ گوشت خریدیں تو ہڈی دار گوشت لیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کو مرغوب تھا۔

گوشت کو رکھنا:

نبی کریم ﷺ نے ابتدا میں تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت رکھنے کو منع فرمایا تھا۔ حکم یہ تھا کہ تین دن تک استعمال کر لو، پھر جو بچے اسے صدقہ کرو۔ اس کے بعد جب عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! لوگ اپنی قربانی کے گوشت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، چربی نکالتے ہیں، مشکیزے بناتے ہیں۔ تین دن بہت تھوڑے ہیں ان سب کاموں

کے لیے۔ تو نبی ﷺ نے تین دن کے بعد بھی رکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ خود نبی کریم ﷺ نے تین دن کے بعد بھی قربانی کا گوشت استعمال فرمایا ہے۔

خادمِ رسول ﷺ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں حضور ﷺ نے بکری ذبح کی، اور فرمایا کہ اے ثوبان! اس گوشت کو ٹھیک رکھو (اس زمانے کے لحاظ سے گوشت کو محفوظ رکھنے کا جو معروف طریقہ تھا، اسی کے موافق حفاظت کا حکم دیا)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں برابر رسول اللہ ﷺ کو اس میں سے کھلاتا رہا، یہاں تک کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ (صحیح مسلم: رقم1975)

پائے کھانا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر مجھے بکری کے کُھر کی دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا، اور اگر مجھے وہ کُھر ہدیہ میں دیے جائیں تو میں اسے قبول کروں گا۔ (صحیح بخاری: رقم4883)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم بلائے جاؤ بکری کے کُھر کی طرف، تو (اس دعوت) کو قبول کرو۔ (صحیح مسلم: رقم1429)

نبی کریم ﷺ کے گھر والے آپ ﷺ کے لیے قربانی کے پائے رکھتے تھے اور اس کا استعمال کھانے میں ہوتا تھا۔ سنن ابنِ ماجہ میں امی جان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم لوگ پائے اُٹھا کر رکھ دیتے تھے اور آپ ﷺ اسے قربانی کے 15 دن بعد تک بھی کھاتے رہتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ: رقم3312)

معلوم ہوا کہ گوشت کو کئی دن تک استعمال کر کے کھانا یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، اور یہ زُہد و توکّل کے خلاف نہیں۔

مغز یا گودا کھانا:

حلال جانور کا مغز کھانا بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ چناں چہ حضرت سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ مغز سے بھرا ہوا پیالہ یا بڑی پلیٹ آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آقا ﷺ نے پوچھا کہ اے ابو ثابت! (حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) یہ کیا ہے؟ حضرت سعد نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! آج میں نے چالیس جانور قربان کیے تو میرا دل چاہا کہ آپ کو مغز کھلاؤں۔ حضور ﷺ نے اُن کی بات سن کر قبول فرمایا اور کھایا اور اُنہیں بھلائی کی دعا دی۔ (زاد المعاد: ص 14)

اُونٹ کا گوشت کھانا:

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی طرف سے 100 اونٹوں کی قربانی کی۔ ان میں سے 63 اُونٹ اپنے دستِ مبارک سے نحر کیے اور باقی 37 اُونٹوں کو نحر کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنایا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باقی اُونٹ ذبح کیے۔ (صحیح مسلم: رقم 1218)

البدایہ والنہایہ میں آگے یہ بھی ہے کہ جب 100 کے 100 اونٹ قربان ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر اُونٹ سے تھوڑا تھوڑا سا گوشت لے لو۔ چناں چہ سب سے تھوڑا تھوڑا سا گوشت لے لیا گیا اور اسے ہانڈی میں ڈال دیا گیا اور پکنے کے بعد سب نے اس کو کھایا اور گرم گرم شوربہ پیا۔

وہ بھی ایک عجیب شان تھی کہ اونٹ آتے، نبی کریم ﷺ کے مبارک ہاتھ میں خنجر دیکھتے تو اپنی گردن کو آگے بڑھاتے کہ اے اللہ کے نبی! پہلے میں۔ ایک لطیفے کی بات ہے کہ یہ جو چائے پینے والے لوگ ہیں، ان کو حدیث سے تو کوئی دلیل چائے کی نہیں ملتی،

البتہ اتنا ثبوت ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے گرم شوربہ پیا تھا اور یہ گرم چائے پیتے ہیں۔

مرغی کا گوشت کھانا:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو مرغی کا گوشت کھاتے دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری: باب لحم الدجاج)

مرغی کے گوشت کو کھانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ مرغی ذبح کرنے سے تین دن پہلے اسے اپنے گھر میں باندھ کر رکھیں تاکہ وہ کسی طرح کی گندگی نہ کھائے، بعدازاں حلال طریقے سے ذبح کر دیا جائے۔ ہے تو مشکل کام، لیکن حلال غذا کے لیے اتنی قربانی تو دی جاسکتی ہے۔ باقی موجودہ صورتِ حال پر کسی مستند دارالافتاء سے رجوع کر لیں۔

خرگوش کا گوشت کھانا:

نبی کریم ﷺ نے اس کے علاوہ خرگوش کا گوشت بھی کھایا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادمِ رسول ﷺ خرگوش کا شکار کر کے اپنے سوتیلے والد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے۔ انہوں نے اسے ذبح کیا اور ٹکڑے کر دیے۔ پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بیٹا! یہ ران والا حصہ آپ ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے اسے قبول فرمالیا۔

(صحیح بخاری: رقم 5535، صحیح مسلم: رقم 1953)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے دو خرگوش شکار کیے اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے کھانے سے متعلق مسئلہ پوچھا۔ آپ ﷺ نے خرگوش کھانے کا حکم فرمایا۔ (موسوعہ فقہیہ: 134/5)

پرندوں کا گوشت کھانا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے سامنے بھنا ہوا

چکور لایا گیا۔ آپ ﷺ نے دعا کی کہ یا اللہ! اپنی مخلوق میں سے بہتر کو میرے پاس بھیج دیجیے کہ وہ میرے ساتھ اس پرندے کو کھائے۔ چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ چکور کھایا۔ (زاد المعاد: ص 114)

گائے کا گوشت کھانا:

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے گائے کا گوشت کھانا ثابت ہے۔ (زاد المعاد: ص 14)

مچھلی کھانا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے تین سو سواروں کے ساتھ بھیجا اور ہمارے امیر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ہم قریش کے تجارتی قافلے کے انتظار میں تھے۔ ساحلِ سمندر پر ٹھہرے ہوئے ہمیں پندرہ دن ہو گئے۔ سب بھوک کی حالت میں تھے۔ اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ ہم ببول کے درخت سے پتے کھا کر گزارا کرنے لگے۔ اسی وجہ سے اس لشکر کا نام جیش الخبط (پتوں والا لشکر) ہو گیا۔ پھر (اللہ ربّ العزّت نے) سمندر میں سے ایک مچھلی ہمارے لیے (باہر نکال کر) پھینک دی۔ وہ اتنی بڑی مچھلی تھی کہ کبھی اس جیسی بڑی مچھلی نہیں دیکھی تھی۔ اس مچھلی کو عنبر کہا جاتا ہے۔ ہمارے امیر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابھی اس کو کھاؤ۔ ہم لوگوں نے اس کو کھایا اور اس کی چربی بھی استعمال کی۔ 15 دن برابر اس مچھلی کو پورا لشکر کھاتا رہا۔ ایک مرتبہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے (ناپنے کے لیے) اس مچھلی کی ایک پسلی لی (اسے کھڑا کر کے) ایک اونٹ سوار کو اس کے نیچے سے گزرنے کا حکم دیا۔ اونٹ سوار اس کے نیچے سے گزر گیا تو اونٹ پر سوار لمبا آدمی چھوٹا تھا اور اس مچھلی کی پسلی بڑی تھی۔ اس کو استعمال کرتے رہے

یہاں تک کہ ہم لوگ مدینہ طیبہ واپس آ گئے اور نبی کریم ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھاؤ، اللہ نے اسے تمہارے لیے رزق کے طور پر نکالا ہے، اور اگر کچھ ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے سامنے اسے پیش کیا تو آپ ﷺ نے بھی اسے کھایا۔ (صحیح بخاری: رقم4362، صحیح مسلم: رقم1935)

تو مچھلی کھانا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ اور جنت میں بھی اہلِ جنت کی سب سے پہلی غذا مچھلی کا جگر ہوگی۔ (صحیح مسلم: باب بیان صفة منيّ الرجل والمرأة)

سات ناپسندیدہ چیزیں:

سات چیزیں ایسی ہیں جو نبی کریم ﷺ کو جانور میں بطور کھانے کے ناپسند تھیں۔ وہ سات چیزیں یہ ہیں:

1 ذَکَر (عضوتناسل) 2 خصیہ 3 مثانہ 4 مادہ جانور کی شرمگاہ

5 غدود 6 بہنے والا خون 7 پِتّہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور پاک ﷺ کی ہر ہر سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بھئی! دین مشکل نہیں ہے، دین بہت آسان ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے آپ ﷺ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ کی ہر ہر ادا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ آپ ﷺ کی سنتوں کو ہم سمجھ لیں، سیکھ لیں۔ 24 گھنٹے کی زندگی ہماری دین ہی دین بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں نبی کریم ﷺ کی سچی محبت عطا فرمائے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

اسلامی لباس

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْدُ:

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

یبنی آدم قد انزلنا علیکم لباساً یواری سوآتکم وریشا

ترجمہ: اے اولاد آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہارے ستر کو چھپاتا ہے اور زینت بھی ہے۔

آیت شریفہ میں حضرت حق جل مجدہ نے تمام اولاد آدم کو خطاب فرمایا کہ تمہارا

لباس قدرت کی ایک عظیم و بیش نعمت ہے اس کی قدر کرو۔ صرف اہل اسلام کو یعنی دین سماوی اور قانون الٰہی کے ماننے والے کو خاص نہیں کیا بلکہ پوری انسانیت کو شامل فرمایا۔ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے کہ لباس اور ستر پوشی انسان کی فطری خواہش اور ضرورت ہے۔ مزید آیت کریمہ میں اس طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ ہم نے تمہاری اصلاح وفلاح کیلئے ایسا لباس اتارا ہے جس سے تم اپنے قابل شرم اعضاء کو چھپا سکو۔ اور ستر پوشی کے علاوہ ایک مزید فائدہ لباس سے اور حاصل ہوتا ہے کہ انسان اپنی ہیئت اور حالت کو مہذب و شائستہ بنانے کیلئے لباس سے زینت و جمال حاصل کر سکتا ہے۔ دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یبنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد

ترجمہ: اے آدم کی اولاد! لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی جو کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے اور اسے پرہیزگاری اور اللہ سے قریب ہونے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کو بتلایا کہ یہ کوئی نیکی نہیں اور نہ اس کا تقوی سے کوئی تعلق ہے۔ خدا کی دی ہوئی پوشاک جس سے تمہارے بدن کا ستر اور آرائش ہے وہ اس کی عبادت کے وقت دوسرے اوقات سے بڑھ کر قابل استعمال ہے تا کہ بندہ اپنے پروردگار کے دربار میں اس کی نعمتوں کو اثر لے کر حاضر ہو۔

(تفسیر عثمانی الاعراف:31)

پس دنیا کی ہر مہذب اور باشعور قوم ستر پوشی اور لباس کو لازم قرار دیتی ہے اور لباس کے بغیر ستر کھول کر رہنا پسند نہیں کرتی۔ اطراف عالم میں شاید کوئی انسان، آبادی اور بستی ایسی ہو جو اس فطری قانون اور ضابطہ حیاتِ انسانی سے انحراف کرتی ہو۔ البتہ جنگلی اور

وحشی قوموں کے بارے میں ضرور سنا ہے جو انسانیت سے عاری ہوتی ہیں اور ان کا بود وباش اور رہن سہن بالکل جانوروں جیسا ہوتا ہے۔ وہ لباس کیا؟ کسی بھی تہذیب عمل اور قانونِ انسانیت سے واقف نہیں ہوتیں۔ لہٰذا ان سے بحث ہی نہیں۔ بات تو باشعور اور خردمند معاشروں کی چل رہی ہے۔ وہ سب اس فطری خواہش وضرورت کا لحاظ رکھتے ہیں اور ہر مہذب معاشرہ وماحول مردوں کی بانسبت عورتوں کی ستر پوشی پر زیادہ توجہ مذکور کرتا ہے۔ لیکن آج تہذیب وتمدن اور ترقی وشائستگی کا مفہوم بدل کر دجّالی قومیں اور شیطانی ذریت فطرت سے بغاوت کر رہی ہیں۔

رب کائنات کا پسند فرمودہ لباس:

اللہ رب العزت کا کوئی نبی اور رسول کسی معاشرے اور تہذیب سے متاثر نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ہر مسئلے اور حکم میں مامور من اللہ ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ماننے والوں اور پیروکاروں کو فطری ضروریات اور مواقع پر بھی خدائی ہدایات اور قوانین الٰہی کی روشنی میں راستے اور طریقے بتاتے اور سکھاتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ سونے، جاگنے، کھانے، پینے اور بول وبراز جیسے معمولی اور چھوٹے امور میں بھی خدائی احکامات سے ہدایت جاری کرتے ہیں اور خود بھی عمل کرتے ہیں۔ اسی لئے آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے جانثاروں کو یہ باتیں تعلیم فرمائیں تو دشمنانِ خدا نے مذاق اڑایا تھا کہ لو دیکھو یہ کیسا خدا کا پیغمبر ہے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں سکھاتا ہے۔ ان عقل کے اندھوں کو یہ کہاں معلوم تھا کہ دین اور مذہب ہمہ گیر اور ہمہ جہت ہوتا ہے۔ انسانی زندگی اور حیات کے کسی شعبہ اور گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا جاتا۔ بلکہ ہر مسئلہ کا حل بیان کر دیا جاتا ہے۔ جب نبی اور رسول تمام امور میں مامور من اللہ ہوتا ہے تو لباس اور ستر پوشی جیسے

اہم مسئلہ میں کیوں نہ خدائی حکم موجود ہوگا۔ ایسا ہونا کہ لباس کے حوالے سے کوئی غیبی اشارہ اور الہام باطنی نبی کے پاس نہ ہو اور وہ اپنی قوم وملت کے معاشرہ اور ماحول سے متاثر ہوکر انہیں کا لباس اپنالے اور اپنی امت کو بھی اسی کا حکم کرے۔ ایسا ہونا عقل ونقل دونوں اعتبار سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ نقلاً تو اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها (مسلم شریف اللباس والزينة) (یہ کافروں کو لباس ہے اس کو مت پہننا) جو انسان ماحول ومعاشرے سے متاثر ہوکر لباس استعمال کرتا ہے وہ ایسا جملہ کیسے کہہ سکتا ہے؟ جب عام آدمی اور انسان اپنے قول وعمل میں ایسا کھلا تضاد نہیں کرسکتا تو نبی اور رسول سے ایسا معاملہ کیونکر ممکن ہے؟ اسی طرح زخیرہ احادیث میں بکثرت ایسی روایات موجود ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ لباس جائز ہے وہ ناجائز ہے، فلاں بہتر ہے اور فلاں غیر مناسب ہے، کہیں تشبہ بالکفار کی ممانعت فرمائی تو کہیں یہود ونصاری اور مشرکین کی مخالفت کا حکم فرمایا۔ جو نبی اور رسول ایسے احکامات اور ہدایات بیان فرمائے وہ خود کافر معاشرہ اور مشرکانہ ماحول سے کیسے متاثر ہوسکتا ہے؟

اور عقلاً اس لئے کہ جو نبی اسلام اور پیغمبر برحق معاش اور معاد کے تمام شعبوں میں غیبی اشارات اور باطنی الہامات سے سرفراز کیا جاتا ہو، جو نبی حیات انسانی کے ہر ہر گوشہ پر انسان کی ہدایت ورہنمائی، خدائی پیغامات اور آسمانی ہدایت کی روشنی میں کرتا ہو وہ ستر پوشی اور لباس کے مسئلہ میں موجودہ معاشرے سے کیسے مرعوب ہوسکتا ہے؟

لہٰذا معلوم ہوا کہ جو ستر پوشی کا طریقہ اور جو لباس خالق کائنات کو پسند تھا اور ہے وہی اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار فرمایا اور جیسے حبیب رب العالمین قیامت تک کے نبی

ہیں ایسے ہی قیامت تک اللہ تعالی کا پسندیدہ لباس بھی وہی ہے جو سنت لباس ہو۔ چنانچہ ان لوگوں کی بات کوئی وزن اور حیثیت نہیں رکھتی جو یہ کہتے پھرتے ہیں کہ کوئی لباس شرعی نہیں بلکہ پیغمبر خدا اگر یورپ و امریکا میں مبعوث ہوتے تو وہاں کے معاشرہ اور تہذیب کے مطابق لباس اختیار فرماتے اور اسی لباس کو شرعی لباس کا درجہ دیتے۔ یہ سب سراسر جہالت و گمراہی پر مبنی باتیں ہیں۔

لباس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس مبارک نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ فقیرانہ اور درویشانہ زندگی تھی۔ زیادہ تر اور عام طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس میں تہہ بند اور چادر، کرتہ، جبہ اور کمبل ہوتے تھے اور فقر و درویشی کی حالت یہ ہوتی تھی کہ مبارک لباس میں پیوند لگے ہوتے تھے۔ رنگت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سبز لباس پسند تھا۔ البتہ نبی رحمت اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوشاک عموماً سفید ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک یمنی چادر تھی جس پر سبز اور سرخ دھاریاں تھیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت پسند تھی۔ لہٰذا تقریب وغیرہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو استعمال فرماتے تھے۔ وہ برد یمانی کے نام سے مشہور تھی۔

فائدہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالص سرخ لباس استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ٹوپی:

نبوی لباس میں جہاں ٹوپی کا تذکرہ ملتا ہے تو ایسی ٹوپی کا ملتا ہے جو سر سے چپٹی ہوئی اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بھی اسی وصف کی ٹوپی کا استعمال ثابت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں سر سے لگی ہوئی ہوتی تھیں۔

موزوں پر مسح فرماتے تھے۔

خرقہ:

لباس نبوی ﷺ میں خرقہ یعنی کملی کا تذکرہ بھی بکثرت ملتا ہے بلکہ خرقہ تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا لباس رہا ہے۔روایت ہے کہ:

قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ: کانت الانبیاء یرکبون الحمر ویلبسون الصوف ویحتملون اشاۃ (رواہ الطیالسی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام گدھوں کی سواری فرماتے تھے، اون پہنا کرتے تھے اور بکریوں کو دودھ پیتے تھے۔

وعنہ ﷺ: کان علی موسی یوم کلمہ ربہ کساء صوف وکمۃ صوف وجبۃ صوف وسراویل صوف وکان نعلاہ من حمار میت۔ رواہ ترمذی وقال غریب والحاکم صححہ علی شرط البخاری

(سیرت مصطفیج3،ص283بحوالہ زرقانی)

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس روز موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالی شانہ سے شرف ہمکلامی ہوا اس روز ان کا کمبل اون کا تھا، ان کی ٹوپی، جبہ اور پائیجامہ سب اون کے تھے اور جوتے مردار گدھے کی کھال کے تھے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: حق تعالی شانہ نے اپنے حبیب کو یا یھا المزمل سے خطاب کر کے ایک پوری سورت مبارکہ خرقہ پوش درویشوں کیلئے نازل فرمائی جس میں ان کیلئے بہت سے شرائط ولوازم ذکر فرمائے ہیں۔(ترجمہ شیخ الہند تفسیر سورۃ المزمل)

شیطانی حملہ:

انسانیت کا دشمن اور حضرت آدم اور اولا دآدم کا ابدی مخالف لعین مردود کا سب سے پہلے جو انسان اور مٹی کے پتلے پر حملہ ہوا اور کا اثر اور بُرا انجام ننگا اور برہنہ ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا کہ جنت الفردوس اور جنت بریں میں ابوالبشر اور خلیفۃ اللہ فی الارض حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا بڑے سکون وقار کے ساتھ رہ رہے تھے۔ انسانیت اور بشریت سے ابدی حسد رکھنے والا ملعون اس کو پسند کہاں کرسکتا تھا۔ چنا چہ اس نے وساوس اور تصرفات کر کے دونوں کو بہکانا شروع کیا اور زوجین اغواء شیطانی کا شکار ہو گئے اور بھول ہی بھول میں خدا کی نافرمانی سرزد ہوئی جس کے نتیجے میں دونوں ننگے ہو گئے اور قابل شرم اعضاء کھل گئے جن کو درختوں کے پتوں سے چھپاتے پھرتے تھے۔ کیونکہ ان کے اعضاء کا دوسروں کے سامنے کھولنا یا کھل جانا انتہائی ذلت ورسوائی اور نہایت بے حیائی کی علامت ہے اور مختلف النوع شر وفساد کا مقدمہ ہے۔

فائدہ:

بعض خودساختہ دانشوروں اور فلاسفروں کا یہ کہنا کہ ابتداء انسان ننگا پھرا کرتا تھا پھر ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد اس نے لباس ایجاد کیا یہ سرتا پا بے اصل اور نادانی وجہالت ہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کے مذکورہ واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ستر پوشی اور لباس انسان کی فطری خواہش اور پیدائشی ضرورت ہے جو روز اول ہی سے انسان کے ساتھ ساتھ ہے۔

دورِ حاضر کی حالت زار:

عصرِ حاضر فتنہ وفساد، اخلاقی پستی وتباہی، اسلامی اور مذہبی اقدار وروایات کی پامالی

اور بے راہ روی وغلط کاری کا ہے۔ آج کل جہاں اور بہت سی خرابیاں اور خرافات نسل انسانی کی پستی کا سبب ہے وہیں ستر پوشی اور لباس میں بھی انسانیت، حیوانیت سے ہم آہنگ ہے۔ شیطان اور اس کی ذریت اولادآدم اور بنات حوا کو برہنہ یا نیم برہنہ کر کے انسانیت کو شرمسار کرنے پر پوری طاقت وقوت صرف کر رہی ہے۔ کبھی تہذیب وشائستگی اور ترقی وخوشحالی کے نام سے بنات حوا کو برہنہ یا نیم برہنہ حالت میں گلی، کوچوں، سڑکوں اور چوراہوں میں لے آتے ہیں اور کبھی آزادی نسواں کا دلفریب اور خوش نما نعرہ دے کر پارکوں، نائٹ کلبوں، ہوٹلوں، کھیلوں کے میدانوں اور فلمی ڈراموں میں عورتوں اور خاص طور پر نوعمر بچیوں کو ننگا نچاتے ہیں۔ کبھی اس شیطانی مشن کو ترقی کا لبادہ اوڑھا دیا جاتا ہے تو کبھی روشن خیالی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ انسان وہ بھی دین ومذہب کا پاسبان اس طاغوتی چال اور شیطانی جال کے دام فریب میں بڑی آسانی سے پھنس جاتا ہے۔ آج مغربی تہذیب وتمدن، بودوباش اور کاٹ چھانٹ کو نوجوان نسل خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں دوڑ کر اختیار کر رہے ہیں۔ نوجوان لڑکیوں نے ان کی نقل کرتے ہوئے اپنے مستور جسم اور باپردہ بدن کو برملا کھول ڈالا۔ سر سے اوڑھنی اور دوپٹہ بالکل غائب ہوگیا۔ باقی لباس بھی یا تو پورے جسم کو چھپانے والا ہی نہیں ہے، دونوں ہاتھ اوپر تک کھلے ہوئے ہیں، دونوں پاؤں رانوں تک کھلے ہیں اور تو یہ حد ہے کہ پیٹ اور پیٹھ بھی کھل گئے ہیں اور یا بہت زیادہ باریک لباس ہے جس سے جسم چھپتا ہی نہیں بلکہ صاف نظر آتا ہے۔ ایسے لباس کا مقصد ستر پوشی نہیں محض زینت ہوتی ہے اور اگر لباس میں مذکورہ دونوں کمی نہ ہوں تو تینوں باتوں میں سے کوئی بھی ہو اس کو پہننے والی عورتوں پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لعنت اور بددعا سے بچنے کیلئے مذکورہ لباس کو استعمال نہ کریں۔ یہی حال نوجوان

لڑکوں کا ہے کہ مغربی اقوام کے ساتھ قدم بہ قدم اور شانہ بہ شانہ چلنے کی دوڑ اور ہوس میں ہمارے نوجوان اپنی تہذیب، اپنا خاندانی تمدن اور اسلامی روایات کو بالائے طاق رکھ کر ایسا لباس زیب تن کرتے ہیں جو جسمانی خدوخال کو چھپانے کے بجائے اور زیادہ نمایاں کرتا ہے۔ حالانکہ دوسری قوموں سے مرعوب ہوکر ان کی تہذیب، ان کا طرز زندگی اپنانا تشبہ میں آتا ہے جس پر احادیث میں سخت ترین وعیدیں آئیں ہیں کہ جو انسان دنیا میں جس قوم کی شباہت اختیار کرے گا وہ کل قیامت میں انہی کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور اس کا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا۔ اللہ تعالی شانہ تمام امت کی حفاظت فرمائے۔ آمین

فریضہ ستر پوشی:

مذہب اسلام اور شریعت محمدی ﷺ نے تمام شیطانی راستے اور دجالی شرور وفتن کے دروازوں کی طرح اس راستے اور دروازہ کو بھی بند کرنے کیلئے ایمان کے بعد ستر پوشی کو فرض قرار دیا۔ نماز، روزہ اور تمام ارکان اسلام بعد میں لباس پہلے فرض وواجب ہے۔

لباس کے آداب:

1 ۔ نیا لباس پہنتے وقت اللہ تعالی کی تعریف اور حمد بیان کرے (دعا پڑھے)

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص نیا لباس پہنے تو اس کو چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ دعا پڑھے: اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ (اللہ تعالی کا شکر واحسان ہے جس نے ایسا لباس عطا فرمایا جس سے میرا بدن بھی چھپ جاتا ہے اور میری زندگی میں زیبائش بھی

حاصل ہوتی ہے)(معارف القرآن ج3،ص535،534)

2 ۔ نیا لباس بنانے کے وقت پرانا لباس فقراء اور مساکین پر صدقہ کردے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص نیا لباس پہننے کے بعد پرانا جوڑا غریب ومساکین کو صدقہ کردے وہ اپنی موت وحیات کے ہر حال میں اللہ تعالی کی ذمہ داری اور پناہ میں آگیا۔(ابن کثیر عن مسند احمد بہ حوالہ معارف القرآن ج3 / 535)

3 ۔ ایسا لباس ہرگز استعمال نہ کیا جائے جس سے تکبر اور غرور ٹپکتا ہو کیونکہ کسی بھی انسان کو تکبر اور گھمنڈ زیبا نہیں اور اگر کوئی نادان اور بے وقوف اپنی حماقت کا ثبوت دیتے ہوئے غرور کا ارتکاب کرتا ہے تو حدیث ہے: کل ما شئت والبس ماشئت مااخطاتک اثنتان سرف او مخیلة (صحیح البخاری ج2،ص860)

ترجمہ: جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو(البتہ) دو چیزیں تمہیں خطا اور گناہ میں مبتلا نہ کر دیں: 1 ۔فضول خرچی 2 ۔تکبر اور گھمنڈ۔

4 ۔لباس اختیار کرنے میں تنعم اور اسراف سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (بنی اسرائیل:27)

ترجمہ:فضول خرچی اور اسراف کرنے والے شیطانوں کے چیلے ہیں۔

5 ۔دشمنان اسلام یہود ونصاری اور کفار ومشرکین کے لباس سے اجتناب کلی ہونا چاہیے کیونکہ اس کو اختیار کرنے میں ان کی مشابہت ہوگی جس سے بڑی شدومد کے ساتھ بازرکھا گیا۔اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

من تشبه بقوم فهو منهم (مسند احمد ابن حنبل ج2،ص50)

جو بندۂ خدا کسی جماعت اور قوم کی شباہت اپنائے گا وہ اسی میں سے ہے یعنی قیامت میں اسی قوم کے ساتھ اٹھے گا۔

6 ۔تہہ بند یا اس کی جگہ استعمال ہونے والا کوئی بھی کپڑا (پائجامہ وغیرہ) نصف پنڈلی تک ہو یا کم از کم ٹخنوں سے اوپر ہو کیونکہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے پر بڑی سخت وعید ہے ارشاد نبوی ہے:

ماسفل من الكعبين من الازار فى النار (بخاری شریف)

ٹخنوں کو جو حصہ ازار کے نیچے رہے گا وہ حصہ جہنم میں جائے گا۔

7 ۔ریشمی کپڑا مردوں کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے اس سے بچنا چاہیے۔حدیث نبی ہے: قال رسول اللہ ﷺ

انما يلبس الحرير فى الدنيا من لاخلاق له فى الاخرة (بخاری و مسلم)

فرمایا جو شخص دنیا ہی میں ریشم کا کپڑا پہنے گا کل قیامت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

8 ۔خالص سرخ و زرد لباس مردوں کیلئے غیر مناسب اور مکروہ ہے۔فتاوی شامی میں ہے کہ: کرہ لبس المعصفر والمزعفر الاحمر والاصفر للرجال

(فتاوی دار العلوم، ج 16، ص 174 بحوالہ الدر المختار مع رد المحتار)

9 ۔مرد عورتوں کا لباس اور عورتیں مردوں کا لباس استعمال نہ کریں کیونکہ ایسا کرنے والے نبی کریم ﷺ کی بدعا کے مستحق ہوں گے۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی شباہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ: اے مسلمانو! تم ایسے لوگوں کو اپنے گھروں سے نکال دو۔ (بخاری شریف رقم الحدیث 5547)

10 ۔ایسا لباس جو بدن اور جسم سے چپکا ہوا ہو اور بہت زیادہ چست ہو ایسے لباس سے مردوں اور عورتوں دونوں کو بچنا چاہیے بالخصوص عورتوں کو۔ کیونکہ حدیث پاک میں ایسے لباس والی عورتوں کو لباس سے عاری اور برہنہ کہا گیا ہے جن کیلئے دوزخ کی وعید ہے۔

نِسَاءٌ کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ (مسلم شریف رقم 2128)

دوزخ میں ایسے ایسے لوگ جائیں گے جن میں وہ عورتیں بھی ہیں جو کپڑا پہننے کے باوجود ننگی ہوں۔

11 ۔اتنا باریک لباس جس میں جسم کے اعضاء نظر آتے ہوں عورتوں کیلئے ایسا لباس بالکل جائز نہیں اور مردوں کو لنگی یا پائیجامہ ایسا پہننا جائز نہیں۔ البتہ دوسرے کپڑے باریک ہوں تو مضائقہ نہیں کیونکہ مردوں کا ستر صرف تہہ بند یا پائیجامہ سے چھپ جاتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، ج 16، ص 148)

12 ۔مرد اور عورت ہمیشہ ایسا لباس وملبوس استعمال کریں جو ان کی جنس کے اعتبار سے خوبصورتی اور زینت کا سبب بنے اور ایسا لباس ہرگز اختیار نہ کریں جس میں بیہودگی اور حماقت ٹپکتی ہو۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یبنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد

کی تفسیر میں مفسر قرآن حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لباس کو زینت سے تعبیر فرمایا جس سے ایک مسئلہ یہ بھی نکلتا ہے کہ نماز میں افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ صرف ستر پوشی پر کفایت نہ کی جائے بلکہ اپنی وسعت کے مطابق زینت اختیار کی جائے۔ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ نماز کے وقت اپنا سب سے بہتر لباس پہنتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جمال کو پسند فرماتے ہیں اس لئے میں اپنے رب

کیلئے زینت وجمال اختیار کرتا ہوں پر یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے۔

(معارف القرآن ج3،ص537)

اورخود رب کائنات نے لباس کو ستر پوشی کا ذریعہ اور سبب بتاتے ہوئے آرائش اور زینت فرمایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا (الاعراف:31)

مسائل:

1 ۔مرد کا ستر جس کو ہر حالت میں چھپانا فرض ہے ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک ہے۔اس حصہ بدن میں سے کوئی عضو حالت نماز میں کھل جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور عام حالت میں کھل جائے تو گناہ ہو گا۔(معارف القرآن ج3،ص544)

2 ۔عورت کا تمام بدن ستر ہے البتہ چہرہ، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم ستر سے مستثنیٰ ہیں۔یعنی حالت نماز میں یا عام حالت میں ضرورت سے ان کو کھول دیا جائے تو نماز درست ہو گی اور کوئی گناہ بھی نہیں ہو گا لیکن یہ مطلب نہیں کہ چہرہ وغیرہ کھول کر عورت غیر محرموں کے سامنے بے روک ٹوک نکلے اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم، ج16،ص186)

فائدہ:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس گھر میں عورت ننگے سر ہو اس گھر میں نیکی اور فرشتے نہیں آتے۔(معارف القرآن ج3،ص544)

3 ۔ ایسا لباس زیب تن کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے جسے پہن کر انسان اپنے دوستوں اور عوام کے سامنے جانے میں عار اور شرم محسوس کرتا ہو۔جیسے صرف بنیان پہن

کر نماز پڑھنا۔ (معارف القرآن ج 3، ص 544)

4 ۔نماز میں پردہ اور ستر پوشی کے علاوہ زینت اختیار کرنے کا بھی حکم ہے پس ننگے سر نماز پڑھنا، مونڈھے یا کہنیاں کھول کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (معارف القرآن ج 3، ص 544)

5 ۔کوٹ پتلون پہن کر اگرچہ نماز ہو جاتی ہے مگر تشبہ بالکفار کی وجہ سے ان کا پہننا مکروہ وممنوع ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، ج 16، ص 154)

6 ۔جس علاقہ میں جس لباس کا رواج ہو عورت کو اس کے پہننے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے۔ البتہ کوئی بھی لباس ہو یہ ضروری ہے کہ کشف عورت اس میں نہ ہو اور عورتوں کیلئے افضل وہ لباس ہے جس میں ستر (پردہ) زیادہ ہو۔ جیسے کرتا، پاجامہ اور اوڑھنی۔

(فتاویٰ دار العلوم، ج 16، ص 158)

7 ۔سر پر ٹوپی کی جگہ کوئی چھوٹا سا رومال یا کپڑا باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ اور بے ادبی ہے۔ (معارف القرآن ج 3، ص 544)

8 ۔جس لباس میں واجب الستر اعضاء کا حجم اور بناوٹ نظر آتی ہو مرد اور عورت دونوں کیلئے حرام ہے اور اس کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے۔ اور مروجہ لباس میں اس قباحت کے علاوہ کفار کے ساتھ مشابہت بھی ہے اس لئے جائز نہیں۔

(احسن الفتاویٰ، ج 8، ص 82 کتاب الحظر والاباحۃ)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

قضائے حاجت کے آداب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

قال اللہ تعالیٰ: فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط (التوبۃ: 108)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

پیشاب، پاخانے کے وقت سمت کا تعین:

اللہ تعالیٰ ہمیں سنت زندگی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ ایک معاملہ آج

کل بہت خراب ہو چکا ہے وہ ہے پیشاب، پاخانے کے وقت قبلہ کی طرف پیٹھ یا پشت کرنا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشاب، پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف رُخ کرنے اور پشت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح بخاری: رقم 394، صحیح مسلم: رقم 264)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسا (کہ تعلیم وتربیت کے لیے) والد اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے۔ میں تمہیں سکھاتا ہوں کہ جب تم پاخانہ، پیشاب کے لیے آؤ تو نہ قبلہ کی طرف رخ کرو، اور نہ پشت کیا کرو۔ (سنن ابن ماجہ: رقم 313)

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں بیت الخلاء میں قضائے حاجت کرتے ہوئے قبلہ رخ ہونے یا قبلہ کی طرف پشت کرنے کی ممانعت ہے، لیکن آج افسوس کی بات یہ ہے کہ اکثر ساتھی اس کو جانتے بھی نہیں اور خیال بھی نہیں کرتے۔ بلڈنگ بنانے والے، مکانات تعمیر کرنے والے کمرے میں قبلے کا رخ چیک کریں اور اس طرح سے بیت الخلاء میں قضائے حاجت کی جگہ بنائیں کہ قبلہ کی طرف نہ رُخ ہو، نہ پشت۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے آمین۔

مجبوری میں حل:

جب کسی جگہ آدمی جائے تو پہلے وہاں کمرے میں قبلے کا رخ چیک کرلے، پھر کموڈ کا رخ اس سے میچ کرلے۔ اگر الگ الگ رخ ہے تو الحمدللہ! کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ لیکن اگر قبلہ رُخ ہے تو کموڈ پر بیٹھتے ہوئے تھوڑا دائیں جانب ہوجائے۔ جتنا کرسکتا ہے اس میں احتیاط کرے۔ نہاتے ہوئے بھی چوں کہ انسان کے جسم پر کپڑا نہیں ہوتا تو یہی

معاملہ ہے کہ نہ قبلہ رُخ ہو اور نہ قبلہ کی جانب پشت کرے۔

اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرنا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی پیشاب پاخانہ کو جائے تو اسے چاہیے کہ اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے، یہ اس کے لیے (پاکیزگی حاصل کرنے میں) کافی ہوں گے۔ (سنن ابی داؤد: رقم 40)

آج کل موجودہ پکے بیت الخلاء میں ڈھیلے یا پتھر استعمال نہ کیے جائیں، بلکہ اس کی جگہ ٹشو پیپر یا ٹوائلٹ پیپر استعمال کریں اس سے پاکیزگی حاصل ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ قبا کی تعریف کی۔

اہلِ قبا کی تعریف:

فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّونَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ (التوبۃ: 108)

ترجمہ: ''اُس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے''۔

قبا کی بستی وہ بستی ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے اور یہاں چودہ دن قیام فرمایا، اور پہلی باقاعدہ مسجد تعمیر کی۔ پھر مدینہ منوّرہ پہنچے تو مسجدِ نبوی کی تعمیر کی۔ دونوں ہی کی بنیاد تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر تھی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اہلِ قبا کی تعریف کی کہ وہ پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عُوَیم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ وہ پاکی کا کون سا طریقہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کی تعریف کی؟ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم جب پیشاب پاخانہ کرتے ہیں تو (پھر آخر میں) پانی استعمال کرتے ہیں۔ (دیکھیے تفسیر ابنِ کثیر، آیت 108)

عام طور پر مسلمان ڈھیلا یا پتھر استعمال فرماتے تھے، اور یہ حضرات اس کے علاوہ صفائی کے لیے خاص طور سے پانی استعمال فرماتے تھے۔ اس پر ان کی تعریف ہوئی۔ اور بعض مرتبہ انسان کو جو وسوسہ آتا ہے کہ قطرہ نکل رہا ہے، اس کا بھی علاج ہے۔ وہ یہ ہے کہ قضائے حاجت کے جتنے آداب ہیں، ان کا خیال رکھا جائے۔

استنجا کا طریقہ و آداب:

1 حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ. (صحيح البخاري: رقم 142)

ایک روایت میں بسم اللہ کا ذکر بھی ہے، اِس لیے مذکورہ دعا کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔ دعا پڑھنے کے بعد بائیں (اُلٹے) پاؤں سے اندر داخل ہوا جائے۔

2 دائیں یعنی سیدھے ہاتھ سے استنجا کرنا منع ہے۔ (صحیح بخاری: رقم 152)

بائیں ہاتھ سے استنجا کیا جائے۔ جب آدمی دائیں ہاتھ سے کھانا کھاتا ہے تو وہ کیسے اسی ہاتھ سے صفائی بھی کرے گا۔ اسے شدید کراہیت ہوگی۔

3 بائیں طرف زور دے کر بیٹھا جائے۔ اس طریقے سے پیشاب یا پاخانے میں سہولت ہوگی اور کوئی قطرہ باقی ہوا تو وہ نکل جائے گا۔

4 پاخانہ کے مقام پر لگی نجاست کو اوّلاً تین ڈھیلوں یا ٹشو پیپر سے صاف کرلیا جائے، اور پیشاب کے قطرات کو خشک کرلیا جائے۔ اس کے بعد پانی سے اطمینان بخش طریقہ پر پاکی وصفائی حاصل کی جائے۔ اب شیطان وسوسہ ڈالے کہ قطرہ نکل گیا تو یہ کہو کہ پانی کے چھینٹے میں نے خود مارے ہیں اب کہاں سے آئے گا۔ لیکن یہ اس صورت

میں ہے جب ہمیں پورا یقین یا شک ہو کہ پاکی ہوئی ہے۔ اگر یقین ہے کہ قطرہ نکل رہا ہے تو صاف کرنا ضروری ہے۔

5 شرمگاہ کے سوراخ کے اندر نہیں، بلکہ پیشاب کی نالی کے منہ پر ڈھیلہ یا ٹشو پیپر لگا کر قطرات خشک کر لیے جائیں۔

6 صرف پانی سے استنجا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے بائیں (اُلٹے) ہاتھ کو کلائی تک دھو لے۔ پھر اگر روزہ دار نہ ہو تو پاخانہ کے مقام کو خوب ڈھیلا چھوڑ کر بیٹھے اور بائیں ہاتھ سے اچھی طرح صفائی کرے، اور اس قدر صفائی کرے کہ پاکی کا یقین یا ظنِ غالب ہو اور چکنائی جاتی رہے۔ اور اگر روزہ دار ہو تو زیادہ پھیل کر نہ بیٹھے، اور نہ پانی بہانے میں مبالغہ کرے۔ دھونے کے لیے کوئی تعین نہیں ہے۔ اگر کسی کو وسوسہ زیادہ آتا ہو تو اپنے لیے تین مرتبہ دھونا مقرر کر لے۔ (زبدۃ الفقہ)

7 استنجا کے بعد ہاتھ کلائیوں تک اچھی طرح دھو لے جیسا کہ شروع میں دھوئے جاتے ہیں تاکہ صفائی ہو۔ نبی کریم ﷺ جب قضائے حاجت سے واپس تشریف لاتے تو اپنے ہاتھوں کو زمین سے رگڑتے اور پھر پانی سے دھو لیتے۔ ہم صابن استعمال کر لیں، اور اگر صابن میسر نہیں تو مٹی سے ہاتھوں کو مل کر پاک کر لیں۔

8 استعمال کے بعد ڈھیلہ یا ٹشو پیپر کو ایسی جگہ نہ ڈالیں کہ جس سے گندگی یا تعفن ہو جائے، یا نالی اور گٹر وغیرہ بند ہو کر لوگوں کے لیے اذیت کا ذریعہ بنے۔

9 اپنے کپڑوں اور بدن کو نجاست یعنی گندگی پیشاب کے چھینٹوں سے بچائے، اور اگر کہیں لگ جائے تو اسے دھو دیا جائے۔

10 پیشاب، پاخانہ بیٹھ کر کیا جائے، کھڑے کھڑے پیشاب کرنا منع ہے۔ نبی

کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں بہت ساری قباحتیں ہیں، چھینٹیں پڑنے کے بھی امکانات ہیں جو عذابِ قبر کی طرف لے جاتے ہیں۔ (سنن دار قطنی: 311/1)

11 سر کو ڈھانپ کر بیت الخلاء میں جانا۔

12 بیت الخلاء جانے سے پہلے نبی کریم ﷺ اپنی انگوٹھی اُتار دیا کرتے تھے کیوں کہ اس میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ یہاں سے ہمیں یہ سبق ملا کہ کسی نے انگوٹھی یا لاکٹ پہنا ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام، آیتِ مبارکہ وغیرہ لکھی ہو تو اس کو باہر رکھ کر جائے۔ اگر تعویذ کپڑے میں، یا موم جامہ کر کے پہنا گیا ہے تو اس تعویذ کو پہنے ہوئے بیت الخلا میں جانا جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ تعویذ اُتار کر جائے۔

اسی طرح اگر موبائل میں قرآنِ کریم یا تفسیر کا صفحہ اسکرین پر کھلا ہوا ہو، یا تلاوت جاری ہو تو اس کو لے کر بیت الخلاء جانا جائز نہیں، بصورت دیگر گنجایش ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔ نیز جس ڈائری میں قرآنِ کریم کی کوئی آیت لکھی ہوئی ہو، اس کا بھی یہی حکم ہے۔ لہٰذا ایسی ڈائری بند بھی ہو تو زیادہ اَدب کا تقاضا اور بہتر یہی ہے کہ بیت الخلاء کے باہر کسی محفوظ جگہ پر رکھ کر جائے واللہ اعلم۔

13 کھڑے ہونے کی حالت میں ستر نہ کھولے، بلکہ بیٹھنے کے قریب ہو کر کھولے۔ اور ضرورت سے زیادہ بدن نہ کھولے۔

14 بیت الخلاء میں باتیں کرنا، یا باہر بات کرنے والے کو اندر سے جواب دینا، ذکر کرنا، سلام کرنا یا اس کا جواب دینا، کسی دینی مسئلہ پر غور کرنا سب منع ہے۔ البتہ خود کو چھینک آئے تو دل میں الحمد للہ پڑھ لے، زبان سے نہ پڑھے۔

15 بلا ضرورت اپنے ستر کو نہ دیکھے، نہ اپنے بدن سے کھیل کرے، نہ آسمان کی طرف نظر اٹھائے۔ اسی طرح بلا وجہ زیادہ دیر تک نہ بیٹھا رہے۔

16 جب فارغ ہو جائے تو مقامِ نجاست کو صاف کر کے کھڑا ہو جائے۔ اور سیدھا ہونے سے پہلے بدن کو چھپا لے۔

17 استبراء کرنا۔ یعنی پیشاب سے فراغت کے بعد چند قدم چلنا، یا زمین پر پاؤں مارنا، یا کھنکھارنا، یا دائیں ٹانگ پر بائیں ٹانگ لپیٹنا اور پھر اس کے برعکس کرنا تاکہ رکا ہوا قطرہ نکل جائے۔ استبراء مردوں کے لیے ہے۔ عورت پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہر کر پہلے ٹوائلٹ پیپر سے مقامِ پیشاب کو خشک کر لے، پھر پانی سے طہارت کر لے۔

18 قضائے حاجت سے فراغت کے بعد سیدھا پاؤں پہلے باہر رکھیں، پھر اُلٹا پاؤں باہر رکھیں اور یہ دعا پڑھیں:

غُفْرَانَكَ. (سنن الترمذي: باب ما يقول إذا خرج من الخلاء)

اس کے ساتھ یہ بھی پڑھ لیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنِّيَ الْأَذٰى وَعَافَانِيْ. (سنن ابن ماجہ: رقم 301)

19 کہیں میدان یا ایسی جگہ ہو جہاں بیت الخلاء نہ بنے ہوں تو آبادی سے دور جائے۔ اور ستر پوشی کا خاص خیال رکھے۔

20 قبلے کے رُخ پر یا پیٹھ دے کر نہ بیٹھے۔ اسی طرح ہوا اور سورج کے رُخ پر بھی نہ بیٹھے۔

21 کسی سایہ دار یا پھل دار درخت کے نیچے پیشاب نہ کرے۔

22 ندی، نالے اور تالاب میں بھی پیشاب یا پاخانہ نہ کیا جائے۔

23 کسی سوراخ یا قبرستان کے پاس بھی قضائے حاجت نہ کی جائے۔

24 نرم زمین پر قضائے حاجت کی جائے جہاں سے چھینٹے لوٹ کر نہ آئیں۔ سخت زمین جہاں سے چھینٹے واپس آئیں یا گٹر بند ہو اور پانی جمع ہو گیا ہے تو ایسی جگہ قضائے حاجت کرنے سے کپڑے اور جسم کے ناپاک ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

25 ہڈی سے استنجا نہ کیا جائے۔ حدیث شریف میں یہ تمہارے مسلمان جنات بھائیوں کی غذا ہے۔ اسی طرح کوئلے، لوہے اور دھاتی چیزوں سے استنجا کرنا منع ہے جس میں نقصان کا اندیشہ زیادہ ہے۔ عام کاغذ سے استنجا کرنا منع ہے، البتہ وہ کاغذ جو بنایا ہی اس لیے گیا ہے جسے ہم ٹوائلٹ پیپر کہتے ہیں، اس سے استنجا کرنا صحیح ہے۔

26 غسل والی جگہ پر قضائے حاجت نہ کی جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس سے وسوسے آتے ہیں۔

یہ تقریباً چھبیس آداب بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی ہیں جو مستند علمائے کرام سے معلوم کیے جاسکتے ہیں۔

حضور پاک ﷺ کی برکت:

پیشاب، پاخانے کے وقت پوری احتیاط کرے کہ کوئی گندگی نہ لگے۔ اگر جسم کے کسی حصے پر لگ جائے تو وہاں پانی بہا کر صاف کیا جائے۔ اور اگر کپڑے پر لگ جائے تو اس کو اچھے طریقے سے تین مرتبہ دھو کر پاک کرے۔ حضور اکرم ﷺ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ہم سب کے لیے بڑی آسانی فرمائی ہے۔ پچھلی اُمتوں میں ایسا نہیں تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ

نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل کے جب کپڑوں پر پیشاب لگ جاتا، نجاست لگ جاتی تو دھونے کے بجائے قینچی سے کاٹنے کا حکم تھا۔ ایک صاحب نے اس پر عمل نہیں کیا تو ان کو قبر میں عذاب ہوا۔ (سنن کبریٰ: رقم 462)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، اور سنن ابی داؤد کی شرح میں بھی ہے کہ بعض روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کے بدن پر پیشاب لگ جاتا تو کھال کھرچنے کا حکم تھا۔ قربان جائیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے کتنی آسانیاں امت کو مل گئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باریک باریک چھینٹوں سے بھی بچنے کا خیال کرتے تھے۔ آج ہمیں چاہیے کہ تسلی کے ساتھ فارغ ہوں اور پانی مناسب استعمال کریں۔ زیادہ پانی بہانا اچھا نہیں ہے۔

صفائی کا اہتمام:

عام طور سے عوامی ٹوائلٹ (Public toilets) میں بدبو بہت ہوتی ہے۔ اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ فراغت کے بعد لوگ پانی نہیں بہاتے۔ یہ بہت بری عادت ہے۔ عوامی چیز سب کے لیے ہے تو کسی کو اذیت اور تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ اسی طرح بعض عورتیں بہت بے احتیاطی کرتی ہیں۔ بچوں کا بستر یا کپڑے اپنی کاہلی یا دین سے بے رغبتی کی وجہ سے پاک نہیں کرتیں، جس کی وجہ سے ناپاک رہتا ہے۔ وہ کیوں اپنے آپ کو عذابِ قبر کے لیے تیار کرتی ہیں؟ مختلف چھوٹے موٹے بہانے بنانا، پانی گرم نہیں ہے، یہ نہیں ہے، وہ نہیں ہے۔ سب بہانے یہیں رہ جائیں گے۔ پیشاب بچے کا ہو یا بچی کا، بڑے کا ہو یا چھوٹے کا ہر صورت ناپاک ہے۔ اس میں بے احتیاطی نہ کریں، اور جگہ کو پاک کریں۔

ممانعت والی جگہیں:

کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں قضائے حاجت سے منع کیا گیا ہے۔

1 غسل خانے میں پیشاب کرنا منع ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم میں سے کوئی غسل خانے میں پیشاب (پاخانہ) نہ کرے، اس لیے کہ عام طور سے وسوسے اس سے پیدا ہوتے ہیں۔

(سنن ترمذی: رقم 21)

حُمید بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں ایک صحابی سے ملا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اسی طرح پائی جیسے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے چار سال پائی۔ اُن صحابی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں غسل خانے میں قضائے حاجت سے منع فرماتے تھے۔

(سنن نسائی: رقم 238، سنن ابی داؤد: رقم 28)

2 ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی ماء دائم یعنی ٹھہرے ہوئے، رکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے، پھر وہ اسی سے وضو (بھی) کرتا ہے۔

(سننِ ترمذی: رقم 68)

اس لیے کہ جو پانی اپنی جگہ پر رُکا ہوا ہے، جاری نہیں ہے، اس میں پیشاب پاخانے کرنے سے پانی ناپاک ہوجائے گا، پھر وہ طہارت حاصل کرنے کے قابل نہ ہوگا۔

3 راستے میں پیشاب پاخانہ کرنا منع ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لعنت کے دو کاموں سے بچو۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! لعنت کے وہ دو کام کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ یہ ہیں کہ آدمی لوگوں کے راستے، یا اُن کے سائے کی جگہ میں پاخانہ کرے۔ (سنن ابی داؤد: رقم 25)

اس سے بھی کتنا تعفن پھیلتا ہے، اور کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کے اندر احساس ہو۔

4 درخت کے سوراخ یا عام سوراخوں کے قریب پیشاب کرنا منع ہے۔ حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوراخ میں پیشاب سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد: رقم 29)

ممکن ہے کہ کوئی جاندار مثلاً سانپ وغیرہ وہاں رہتا ہو، اسے تکلیف ہوگی پھر وہ حملہ کر دے گا۔ سنن ابی داؤد میں یہ بھی ہے کہ کسی نے ابوقتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیوں منع ہے؟ فرمایا کہ یہ جنات کے رہنے کی جگہ ہے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ابوقتادہ کی اس بات کا انکار نہیں کر سکتا، کیوں کہ یہ ابوقتادہ کی بات ہے (اور وہ بڑے ثقہ آدمی ہیں)۔ اس لیے ایسی جگہوں پر پیشاب کرنے سے بچنا چاہیے۔

سر ڈھانک کر جانا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے جاتے تو سر ڈھانکا ہوتا اور چپل پہنی ہوتی تھی۔ ننگے سر بیت الخلاء جانا مکروہ ہے۔ بعض مرد ٹوپی پہنے ہوئے یا عورتیں دوپٹہ لیے، بیت الخلاء جاتے ہوئے سر کھلا کر دیتے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک نہیں۔ بیت الخلاء جاتے ہوئے مسلمان مرد اور عورت کا سر ڈھکا ہوا ہونا چاہیے۔ بلکہ مسلمان کا سر تو ہر حالت میں ڈھکا ہوا ہونا چاہیے۔

بیت الخالہ نہ سمجھیں:

بہت سارے نوجوان بیت الخلاء کو بیت الخالہ سمجھ لیتے ہیں۔ وہ بیت الخالہ نہیں ہے، بیت الخلاء ہے کہ ضرورت کے وقت گئے اور جتنی ضرورت تھی اتنا وقت وہاں گزارا اور

باہر آگئے۔ والدین کو چاہیے کہ جب کوئی بچہ 10، 12 سال 13 سال کا ہو جائے تو نوٹ کریں کہ اولاد کتنی دیر ٹوائلٹ میں لگا رہی ہے۔ اگر زیادہ وقت لگ رہا ہے اور مستقل ہی ایسی عادت بن رہی ہے تو پھر Something is wrong کچھ غلط ہو رہا ہے، جسے ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے۔

قومِ لوط کے عمل سے بچنا:

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی خروجِ ریح (یعنی ہوا خارج ہونے) پر ہنسے۔ (صحیح بخاری: رقم 5609)

جب ہوا اپنے مقام سے خارج ہوتی ہے تو وضوٹوٹ جاتا ہے۔ بعض دفعہ ہوا کا خروج آواز کے ساتھ ہوتا ہے، اور بعض مرتبہ بغیر آواز کے۔ اگر آواز کے ساتھ ہو جائے تو بندے کا اس میں اختیار نہیں۔ اس پر اگر کوئی ہنسے گا تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا موجب ہے۔ اس پر ہنسنا شدید منع ہے۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہوا خارج ہونے پر نصیحت کی اور فرمایا کہ تم کیوں اس پر ہنستے ہو؟ (مشکاۃ: رقم 3242)

اسی حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث جابر رضی اللہ عنہ نقل کی ہے۔ اس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خروجِ ریح کی آواز پر ہنسنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر دردناک عذاب آیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنا پَر اُن کی بستی کے ساتوں زمین کے نیچے لے گئے اور انہیں اٹھایا یہاں تک پہلے آسمان والے فرشتوں نے اُن کے مرغوں اور کتوں کی آواز سنی۔ اور پھر وہاں سے اُنہیں اُلٹا کر دیا۔ جو زمین کے نیچے والا حصہ تھا وہ اوپر آگیا اور اُوپر والا نیچے آگیا۔ پیچھے سے پتھر بھی

مارے گئے۔ ان کے ساتھ عذاب کا یہ معاملہ ان کے کچھ ایسے ہی گناہوں کی وجہ سے تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اُن کے جتنے بھی گناہ تھے وہ سارے کے سارے انتہائی قبیح اور بُرے ہیں۔ اگر کوئی انسان کرتا ہے تو وہ ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے، اور اللہ کو ناراض کرنے والے کام کرتا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

1 وہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر زور زور سے ریح خارج کر ہنستے تھے۔

2 کبوتروں سے کھیلنا یعنی کبوتر بازی ان کی عادت تھی۔

3 راستے میں بیٹھ کر سیٹیاں بجاتے تھے۔

4 راہ چلتے مسافروں کو کنکریاں اور ڈھیلے مارتے تھے۔

5 انگلیوں کو چٹخاتے تھے۔ بعض دفعہ دیکھا گیا کہ لوگ مسجد میں بیٹھ کر ایسا کر رہے ہیں۔ یہ تو مسجد سے باہر بھی مکروہ ہے تو مسجد کے اندر تو اور زیادہ اس کی کراہت ہے۔

6 ان کے مرد رنگین کپڑے پہن کر عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کیا کرتے تھے۔ اور قمیص کا اگلا بٹن کھلا رکھتے تھے۔

7 مردوں کی مردوں کے ساتھ بدفعلی اتنا قبیح گناہ ہے جس کی بنیاد اس قوم نے رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ ان سے پہلے یہ کسی نے نہیں کیا۔

بہرحال ہوا خارج ہونے پر ہنسنے سے بچا جائے۔

نماز یکسوئی سے ادا کی جائے:

کبھی نماز کے وقت بشریت کی وجہ سے پیشاب، پاخانہ کی حاجت ہو جاتی ہے۔ شریعتِ مطہرہ کی تعلیم یہ ہے کہ جب ایسا موقع ہو اور نماز میں توجہ کے بٹنے کا اندیشہ ہو تو پہلے قضائے حاجت کرلے، تسلی سے فراغت حاصل کرلے پھر نماز پڑھے۔ اس کے لیے

بہترین ترتیب یہی ہے کہ اذان سے پہلے ہی نماز کی تیاری شروع کر دے تا کہ نماز میں مسئلہ نہ ہو۔

قضائے حاجت کے لیے جگہ کا دوسروں کی نظر سے چھپا ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہ دین حیا والا ہے۔ بے ستری جائز نہیں ہے۔اس سلسلے میں دو معجزے نبی کریم ﷺ کے بیان کرتے ہیں تا کہ حیا کا اندازہ ہو سکے۔

پہلا معجزۂ رسول ﷺ:

مسلم شریف میں ایک طویل قصہ کتاب الزہد میں بروایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک وادی میں ہم نے پڑاؤ ڈالا۔ نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے لیے جانے لگے تو میں ایک برتن میں پانی لے کر آپ ﷺ کے پیچھے (چھپ کر) چلنے لگا۔ (مقصد یہ تھا کہ جہاں رسول اللہ ﷺ کو ضرورت ہوگی، آپ ﷺ کو پانی کا برتن پیش کردوں گا۔ انتہائی محبت اور ادب کی بات ہے) نبی کریم ﷺ نے پردے والی جگہ تلاش کی، لیکن کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ البتہ وادی کے کنارے پر دیکھا کہ دو درخت ہیں۔آپ ﷺ ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ایک ٹہنی کو پکڑ کر کہا کہ اللہ کے حکم سے میرے ساتھ چل۔ وہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ایسے آنے لگی جیسے کوئی اونٹ والا نکیل ڈال کر اونٹ کو چلاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ دوسرے درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ٹہنی پکڑ کر بھی یہی بات ارشاد فرمائی، وہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے آنے لگی یہاں تک کہ آپ ﷺ دونوں درختوں کے درمیان والی جگہ پر آ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے ان دونوں ٹہنیوں

سے فرمایا: دونوں ایک دوسرے سے مل جاؤ۔ اللہ کی شان کہ دونوں جڑ گئیں، مل گئیں اور پردہ ہوگیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ دیکھ کر میں ڈر گیا اور وہاں سے ہٹ گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوجائے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے وہاں سے ہٹادیں۔ تھوڑے وقت کے بعد خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے قریب آگئے، میں نے دیکھا کہ دونوں درختوں کی ٹہنیاں اپنی اپنی جگہ واپس چلی گئیں۔ آگے حدیث اور بھی ہے۔

(صحیح مسلم: رقم3014)

دوسرا معجزۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفر کے موقع پر مجھ سے فرمایا کہ دیکھو! کوئی جگہ قضائے حاجت کے لیے پردے والی ہے؟ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہاں تو کوئی ایسی جگہ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا! تمہیں کھجور کے درخت، اور پتھر نظر آتے ہیں؟ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: جی! کھجور کے درختوں کو قریب قریب دیکھ رہا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ان درختوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم سب میرے پاس ادھر آؤ۔ اور پتھروں سے بھی کہو کہ یہ بھی آجائیں۔ فرماتے ہیں کہ میں آیا اور میں نے درختوں اور پتھروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سنادیا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں ان درختوں کو دیکھ رہا تھا کہ راستہ بناتے ہوئے جمع ہوگئے، اور پتھر جو الگ الگ تھے قریب ہو گئے اور چٹان کی مانند درختوں کے پیچھے ہوگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ضرورت کو

پورا فرمایا اور واپس آئے اور مجھ سے کہا کہ ان سب سے کہہ دو کہ واپس اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ۔ میں نے آ کر کہا اور یہ سب اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے۔

(الشفاء للقاضی عیاض: فصل سادس عشر)

بیت الخلاء میں وضو کرنا:

ہمارے ہاں عام طور سے وضو بیت الخلاء کے اندر کیا جاتا ہے۔ اگر وضو بیت الخلاء میں کرنا ہے تو وضو کی مسنون دعائیں بیت الخلاء سے باہر پڑھ کر جائیں۔ اسی طرح غسل کے لیے بھی وہی جگہ ہے تو پہلے جگہ کو پاک کریں، پھر وہاں غسل کریں۔ بہتر یہ ہے کہ جہاں غسل اور قضائے حاجت کے لیے ایک ہی جگہ ہو تو درمیان میں ایک دیوار 2،3 فٹ کی بنالی جائے تاکہ تقسیم ہو جائے۔ یہ بہتر ہے اور شریعت کے زیادہ قریب ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان آداب کی سمجھ عطا فرمائے، اور ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

چھوٹا عمل بڑا اجر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط

(آل عمران:31)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

جنت میں حضور ﷺ کی معیت:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی کان معی فی الجنة وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔
(سنن ترمذی: رقم 2678)

ہماری پوری زندگی سنت کے مطابق ہو جائے۔ ہمارا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، بولنا سننا، معاملات وغیرہ، تو ہم ایک کامیاب زندگی گزارنے والے ہوں گے۔ جس میں دنیا کی بھی کامیابی اور آخرت کی بھی کامیابی ہے۔ پوری زندگی کو سنت پہ لے کر آنا نہایت آسان، نہایت آسان، اور نہایت آسان ہے۔ بالکل بھی مشکل نہیں ہے۔

خلاصۂ بیان:

آج کی مجلس میں تین باتیں کرنی ہیں:

1. چھینک کے بارے میں
2. جماہی آنا
3. بچوں کا نام رکھنا

گلدستہ سنت کی چوتھی جلد الحمدللہ! آ چکی ہے۔ ان تمام کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو آسان انداز میں اُمت کے سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتابیں اس وقت تک نہیں بولتیں جب تک اسے دیکھ کر پڑھا نہ جائے۔ یہ وہ خاموش رہبر ہے جب تک اسے اپنے ہاتھوں سے پکڑیں گے نہیں، یہ رہبری نہیں کرے گی۔ اب ہماری ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ ہم آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو پڑھ کر مستفید ہوں اور اپنی عملی زندگی کو آپ ﷺ کی زندگی کے مطابق بنانے کی محنت میں لگ جائیں۔ بہر حال پہلی بات

چھینک کے بارے میں کرتے ہیں۔

چھینک آنے پر عمل:

چھینک آنا ایک فطری عمل ہے جسے انسان روک نہیں سکتا۔ اسے روکنا بھی نہیں چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب کسی کو چھینک آئے تو اس کا جواب دیا جائے۔
(صحیح بخاری: رقم1240، صحیح مسلم: رقم2162)

اس لیے ہم آج کی مجلس میں اُن احادیثِ مبارکہ کو ذکر کرتے ہیں جن میں چھینکنے والے اور چھینک سننے والے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہدایات ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کو چاہیے کہ الحمد لله کہے، اور اس کے پاس بیٹھنے والا جو سن لے اس کو چاہیے کہ یرحمك الله کہے، اور اس کے بعد چھینکنے والا جس نے الحمد لله کہا تھا وہ جواب دے يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ۔
(صحیح بخاری: رقم6224)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب چھینک آتی تو آپ ﷺ الحمد لله کہتے، پھر جب آپ ﷺ کو یرحمك الله کہا جاتا تو آپ ﷺ جواب میں يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ فرماتے۔ (مسند احمد: 1/204)

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے سنن ابی داؤد میں دو روایتیں چھینکنے والے کے لیے اپنی سند سے بیان کی ہیں۔ ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں ہے کہ چھینکنے والا الحمد لله على كل حال کہے۔ آگے پھر وہی ہے جو ابھی بیان کیا۔
(سنن ابی داؤد: رقم5033)

دوسری روایت حضرت سالم بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں ہے کہ چھینکنے والا الحمدلله رب العالمين کہے۔ (سنن ابی داؤد: رقم 5031)

علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ الحمدلله تو کہنا ہی ہے، آگے الفاظ على كل حال / رب العالمين کہتا ہے تو اجازت ہے۔

جو الحمدللہ نہ کہے، اس کو جواب نہ دینا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں دو آدمیوں کو چھینک آئی۔ ایک نے کہا الحمدلله، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: يرحمك الله۔ دوسرے نے الحمدلله نہیں کہا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے يرحمك الله نہیں فرمایا۔ اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! اس کو تو آپ نے يرحمك الله کہہ کر دعا دی، لیکن مجھے نہیں دی۔ (مجھے بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی ضرورت ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس نے چھینک آنے پر الحمدلله کہا تھا تو میں نے جواب دیا، تم نے الحمدلله نہیں کہا تو میں نے تمہارے لیے دعا بھی نہیں کی۔ (صحیح بخاری: رقم 5871)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب چھینکنے والا اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے تو تم اس کی چھینک کا جواب دو، اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف نہ کرے تو اس کی چھینک کا جواب نہ دو۔ (صحیح مسلم: رقم 2992)

الحمدللہ کہنے پر جواب کا واجب ہونا:

چھینکنے والا جب چھینکے اور الحمدلله کہے تو سننے والے کو جواب میں يرحمك الله کہنا واجب ہے، اگر نہ کہے تو گنہگار ہوگا۔ اور عام طور سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ چھینکنے والا جب چھینکتا ہے تو وہ الحمدلله نہیں کہتا۔ اگر وہ کہہ بھی دے تو بسا اوقات سننے والے جواب

نہیں دیتے۔ یا تو اکثر لوگ غافل ہوتے ہیں، یا پھر انہیں معلوم ہی نہیں کہ کرنا کیا ہے۔
الحمدللہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے، اور اس کے جواب میں یرحمك اللہ کہنا رحمت کی دعا ہے۔ اس میں شرمانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جب تین مرتبہ چھینک آئے:

بعض مرتبہ لوگ چھینکتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کی رہنمائی موجود ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو تین مرتبہ چھینک آئے تو تینوں مرتبہ الحمدللہ کہے اور سننے والا تینوں مرتبہ یرحمك اللہ کہے، لیکن اگر اس سے زیادہ آجائے تو یہ زُکام کی وجہ سے ہے۔
(سنن ابن ماجہ: رقم 3704)

رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں ایک آدمی کو تین مرتبہ چھینک آئی تو اس نے تینوں مرتبہ الحمدللہ کہا، اور رسول اللہ ﷺ نے اسے تینوں مرتبہ یرحمك اللہ کہہ کر جواب دیا۔ اور تیسری مرتبہ میں یہ بھی فرمایا: یہ شخص زُکام زدہ ہے۔ (کتاب الاذکار: 1/273)

علماء نے لکھا ہے کہ بار بار چھینکنے والے کو عَافَاكَ اللّٰهُ فَإِنَّكَ مَزْكُوْمٌ بھی کہا جا سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت دے، اس لیے کہ آپ کو زُکام ہے۔

چھینکنے والا آواز اور چہرے پر کنٹرول رکھے:

نبی کریم ﷺ کو جب چھینک آتی تھی تو کیا کرتے تھے؟ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتنے پیارے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ایک ایک بات کو ہم تک پہنچا دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کو جب چھینک آتی تو نبی کریم ﷺ اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ لیا کرتے، یا چہرے کو کپڑے سے ڈھانپ لیا کرتے، اور اپنی

آواز کو کم کرنے کی کوشش کرتے۔ (سنن ترمذی: رقم 2745)

آج کل لوگوں کو فیشن اچھا لگتا ہے، العیاذ باللہ! سنت اچھی نہیں لگتی۔ یہ عاجز اپنے ساتھ ہمیشہ رومال رکھتا ہے، اس کے بہت فائدے ہیں۔ رات کو لائٹ جل رہی ہو تو آنکھوں پر لپیٹ لیا، کہیں نماز کا وقت ہو جائے تو اسے بچھا کر نماز ادا کر لی، کچھ جھاڑنا ہو تو کام آ گیا۔ کئی کام اس رومال سے ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو دیکھیے کہ جیسے ہی چھینک آئی تو ایک تو اللہ کا شکر ادا کرتے، دوسرا اپنی آواز کو کم کرنے کی کوشش کرتے، اور جتنا ممکن ہوتا تو ہاتھ یا کپڑے سے چہرۂ مبارک کو ڈھانپ لیتے۔ چھینکنے والے کو چاہیے کہ اس کا بہت خیال کرے، خاص کر جب مجلس میں ہو تو دوسرے لوگوں کو کراہت محسوس ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ دوسروں کا خیال کیا کرتے تھے۔ دستر خوان پر اگر ہو تو بہت خیال کرنے کی ضرورت ہے کہ فوراً کپڑا رکھے۔ کپڑا نہیں ہے تو منہ دوسری طرف کر لے، کھانے میں لوگوں کی طرف چھینک نہیں جانی چاہیے۔ ایسا ہوتا ہے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے، کراہت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسجد میں ہو تو وہاں بھی آواز کو پست رکھے اور فوراً کپڑا یا ہاتھ منہ کے آگے کر دے۔ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کو اذیت نہ ہو، اور نہ ہی منہ کی گندگی مسجد میں گرے۔

یہ بات تو مسلمان کی چھینک سے متعلق ہو رہی تھی۔ اگر کبھی غیر مسلم کو چھینک آ جائے تو مسلمان کے لیے کیا حکم ہے؟

غیر مسلم کے لیے چھینک کا جواب:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں یہود چھینکتے تھے اور چاہتے تھے کہ آپ ﷺ انہیں یرحمك الله کہیں تا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت ملے،

لیکن آپ ﷺ ان کو یرحمك الله نہ کہتے بلکہ ان کو فرماتے تھے: یہدیکم الله ویصلح بالکم کہ اللہ تمہیں ہدایت دے۔ (سنن ابی داؤد: رقم 5038)

معلوم ہوا کہ غیر مسلم کے لیے رحمت کی دعا نہیں ہوتی تھی بلکہ ہدایت کی دعا ہوتی تھی۔ اگر کوئی کافر ہمارے سامنے چھینکے اور وہ الحمدلله بھی کہہ دے تو جیسے نبی کریم ﷺ غیر مسلم کو یرحمك الله نہ کہتے بلکہ یہدیکم الله ویصلح بالکم فرماتے، اسی طرح ہمیں بھی کرنا چاہیے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کمالِ احتیاط:

حضرت نافع رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا کہ اسے چھینک آئی اور اس نے کہا: الحمدلله والسلام علی رسول الله (درود سلام کو بھی ساتھ شامل کرلیا)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے منع کیا اور فرمایا کہ چھینکنے پر اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیں اس طرح تو نہیں سکھایا۔ بلکہ ہمیں یہ سکھایا کہ ہم چھینک کے موقع پر الحمدلله علی کل حال کہیں۔ (سنن ترمذی: رقم 2738)

نبی کریم ﷺ پر سلام بھیجنا، درود پڑھنا عبادت ہے لیکن اس موقع پر نہیں۔ ان چیزوں کو بہت سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کون سا حکم کس موقع پر ہے۔ جیسے اذان ختم ہوتی ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر، اب کوئی کہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی ساتھ لگا دو، ثواب بڑھ جائے گا۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ نہیں، یہ اضافہ ٹھیک نہیں۔ ہماری کامیابی اسی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کریں۔

دو واقعات:

1 ایک محدّث (نبی کریم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کو بیان کرنے والا) کشتی میں

بیٹھے تھے۔ کشتی دریا میں چل رہی تھی۔ سامنے سے ایک اور کشتی آرہی تھی جس میں مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دوسری کشتی میں کسی کو چھینک آئی اور اس نے الحمدلله کہا۔ اُن محدّث نے سن لیا لیکن جواب دینے کی باری آئی تو کشتیاں دور ہوگئیں۔ اب کشتی کو رکوانا تو بس میں نہیں تھا۔ چناں چہ جب ان کی کشتی کنارے پر لگی تو انہوں نے اُتر کر دوسری کشتی کرائے پر لے لی اور کہا کہ مجھے اس کشتی کے قریب تک لے جاؤ۔ چناں چہ جب یہ اس کشتی کے قریب پہنچے تو چھینکنے والے آدمی کے قریب جا کر اس کو یرحمك الله کہا اور واپس آ گئے۔ بعض لوگوں نے اُن کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا تو بشارت ملی کہ اس عمل کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت عطا کر دی۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ان چیزوں کا خیال رکھیں۔

2 ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید اپنے محل میں ملکہ زُبیدہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک شور بلند ہوا۔ خلیفہ حیران کہ کیا ہوا؟ کوئی بغاوت ہوگئی؟ یا کوئی اُفتاد آ پڑی۔ کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا تو بہت سارے لوگ تھے۔ سپاہی سے پوچھا کہ یہ شور کیسا تھا؟ سپاہی کہنے لگا: ایک عالم تشریف لائے تھے، اتنے لوگ ان کے استقبال کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ اُن عالم کو چھینک آئی تو انہوں نے الحمدلله کہا۔ پورے مجمع نے جواب میں یرحمك الله کہا تو ایک شور مچ گیا۔ جب ملکہ زبیدہ نے یہ حال دیکھا تو کہا کہ واللہ! بادشاہ تو یہ ہیں، نہ کہ ہارون رشید۔ یہ اللہ والے تو لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں، اور لوگ خود ہی ان کے پاس جمع ہوجاتے ہیں۔ اور بادشاہ تو اپنے سپاہیوں کے بغیر لوگوں میں رہ نہیں سکتا۔ اللہ اکبر!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ چھینک کو

پسند کرتے ہیں، اور جمائی کو ناپسند کرتے ہیں۔ جب کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو دوسرے مسلمان پر لازم ہے کہ اس کا جواب دے۔ (صحیح بخاری: رقم 6223)

چھینک اور اس سے متعلق اُمور کو بیان کرنے کے بعد جمائی کو لیتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، لیکن چوں کہ فطرت میں ہے تو اس موقع سے متعلق حکم ذکر کرتے ہیں۔

جمائی/ جماہی کو روکنا:

نبی کریم ﷺ نے بہت سی چیزیں جو روز مرہ میں پیش آنے والی ہیں، سب سکھائی ہیں۔ ہم شرم کرتے ہیں کہ یہ سیکھنے سکھانے میں کیا ہے۔ دینِ اسلام بہت پیارا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ نے ہمیں ایمان عطا کر دیا اور اپنے حبیب ﷺ کی اُمت میں پیدا کیا۔

بہرحال حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اپنا ہاتھ منہ پر رکھے، اس لیے کہ شیطان منہ میں داخل ہوتا ہے (اگر ہاتھ نہ رکھا)۔ (صحیح مسلم: رقم 2995)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جمائی کا تعلق شیطان سے ہے، جو اسے روک سکتا ہے وہ روکے۔ (جمائی کے وقت جب آواز نکلتی ہے اور آدمی) کہتا ہے "ہا"، اس وقت شیطان دیکھ کر بڑا ہنستا ہے۔ (صحیح بخاری: رقم 6223)

یعنی شیطان اس کا مذاق اُڑا رہا ہوتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ انسان کو جمائی آ رہی ہو تو بائیں ہاتھ کو منہ پر رکھ کر روکنے کی کوشش کرے۔ حدیث شریف میں تو مطلقاً ہاتھ سے روکنے کا حکم ہے۔ بائیں ہاتھ سے علمائے کرام نے اس لیے فرمایا کہ شریعت کا ضابطہ ہے کہ شرف و بزرگی والے کام کو دائیں جانب سے کیا جاتا ہے، اور ناپسندیدہ گندگی کی صفائی

کو بائیں جانب سے کیا جاتا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم خود سے ہی قرآن سمجھ لیتے ہیں، حدیث سمجھ لیتے ہیں، علماء کی کیا ضرورت ہے؟ اگر علمائے کرام اِن توضیحات کو بیان نہ کریں تو اُمت کے لیے کتنی تشنگی رہ جائے گی۔ اور ایسے کئی معاملات ہیں۔

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمر بھر جماہی نہیں آئی ہے۔ جس کی صراحت مصنف ابن شیبہ کی روایت میں موجود ہے۔ نیز علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کسی بھی نبی کو جماہی نہیں آئی۔ (فتح الباری:10/715)

بزرگوں کے مشاہدہ کی بات ہے، اور اس عاجز کا بھی بہت دفعہ کا تجربہ ہے کہ جس وقت انسان کو جماہی آ رہی ہو، اس وقت فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصوّر کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جماہی نہیں آتی تھی۔ جیسے ہی یہ تصور کرے گا تو اِن شاء اللہ کھلے منہ کا (ShutterDown) ہو جائے گا۔ عمل کر کے دیکھ لیجیے۔

چھینک اور جماہی کی بات پوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ جس بات کو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا ہو وہ ہمارا دین ہے۔ یہ دین ہی ہمارے لیے سب کچھ ہے۔ اب تیسری بات ذکر کرتے ہیں ''بچوں کا نام رکھنا''۔ اس بارے میں بھی ہمارے معاشرے میں کئی عجیب باتیں ہو رہی ہیں۔

بچوں کا نام رکھنا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیک فال لیتے لیکن بدشگونی نہیں لیتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچھے نام پسند تھے۔ (معجم طبرانی: رقم 11294)

حضرت عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیا کرتے تھے کہ بچے کی پیدائش کے

ساتویں دن اس کا نام رکھا جائے اور عقیقہ کیا جائے۔ (سنن ترمذی: رقم 2832)

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ساتویں دن نام رکھنا مستحب ہے۔ اگر اس سے پہلے بھی کوئی رکھتا ہے تو حرج نہیں۔ البتہ اس بات پر خصوصیت کے ساتھ وہ لوگ غور کریں جو مہینے گزار دیتے ہیں، لیکن اچھا سا نام بچے یا بچی کے لیے تجویز نہیں کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ کے ماہر تھے۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا نام حرب (جنگ) رکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کا نام حسن ہے۔ پھر جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر ان کا نام حرب (جنگ) رکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کا نام حسین ہے۔ (سیر اعلام النبلاء: صغار الصحابۃ حسن بن علی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش یہ تھی کہ ہر ایک کا اچھے سے اچھا نام رکھا جائے۔ ہم لوگوں کے نام بگاڑ دیتے ہیں، اس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ یہ کلّو ہے، یہ مٹھو ہے، یہ فلاں ہے۔ کسی کو خوبصورت نام سے پکارنا دلوں میں محبت پیدا کرتا ہے۔ آپ مخاطب کو عزت دیجیے اچھے لقب سے، اچھے نام سے پکاریے، آپ کے لیے اس کے دل میں جگہ بنے گی۔ اسلام محبتوں کو بڑھاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یقیناً اللہ ربّ العزّت کے نزدیک پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ (صحیح مسلم: رقم 2132)

مطلب یہ کہ جتنے بھی صفاتی نام ہیں عبدالرحیم، عبدالغفار وغیرہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں، کیوں کہ اس میں باری تعالیٰ کی صفت کے ساتھ عبدیت لگائی گئی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک انصاری کے گھر میں ولادت ہوئی اور اس نے اپنے بچے کا نام قاسم رکھا۔ عربوں میں رواج تھا کہ باپ کو بچے کے نام سے یعنی کنیت سے پکارتے تھے۔ چناں چہ انصار لوگوں نے اس سے کہا کہ ہم تمہیں ابوالقاسم نہیں کہیں گے (کیوں کہ ابوالقاسم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ہے۔ شروع میں یہ کنیت اختیار

کرنا منع تھا) وہ انصاری نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور ساری بات بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا نام عبدالرحمٰن رکھو۔ (صحیح مسلم: رقم 2133)

اسی طرح ایک صحابی حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرا نام یوسف رکھا، اور مجھے اپنی گود میں بٹھایا، اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔

(الادب المفرد: 838)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا بیٹا پیدا ہوا تو میں اسے آپ ﷺ کے پاس لے آیا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے میرے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا، اسے کھجور سے تحنیک دی، اس کے لیے برکت کی دعا کی اور پھر مجھے واپس کر دیا۔ (صحیح بخاری: رقم 6198)

یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب بچوں کے نام رکھنے ہوں تو علماء سے، بزرگوں سے، نیک لوگوں سے مشورہ کر لیا کریں۔ اور اپنے بچوں کو نیک لوگوں کے پاس لائیں، تحنیک کروائیں، نام بھی رکھوائیں، ان سے بچوں کے لیے دعائیں بھی کروائیں۔ اس سے برکت ملتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی عادت کے بارے میں امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ بُرے ناموں کو اچھے ناموں سے بدل دیا کرتے تھے، کیوں کہ نام کا اثر شخصیت پر آتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ تھا، آپ ﷺ نے اس کا نام جمیلہ رکھ دیا۔ (صحیح مسلم: رقم 2139)

ایک صاحب آئے ان کا نام اَصْرَم تھا۔ آپ ﷺ نے اُن سے نام پوچھا، انہوں نے کہا کہ اَصرم۔ آپ ﷺ نے اُن کا نام زُرْعہ رکھ دیا۔ (سنن ابی داؤد: رقم 4305)

ایک کا نام دَیُسم تھا، آپ ﷺ نے ان کا نام بشیر رکھ دیا۔ (سنن ابی داؤد: رقم 1586)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں کئی ایسے نام نقل کیے ہیں جنہیں آپ ﷺ نے

تبدیل فرمایا۔ مثلاً عاص، عزیز، عتلہ، شیطان، حکم، غراب، شہاب، حباب، حرب وغیرہ۔
(سنن ابی داؤد: 2/707)

آپ ﷺ نے جن کا نام بھی تبدیل فرمایا، انہوں نے بہ خوشی قبول فرماتے ہوئے اپنے نام تبدیل کر دیے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مشہور تابعی سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے دادا حزن آپ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے ان سے نام پوچھا تو کہا: حزن (غم)۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اس نام کو پسند نہیں کیا اور فرمایا کہ تمہارا اسہل (آسان) ہے۔ حزن نے کہا کہ میرے والد نے میرا جو نام رکھا ہے، میں اسے بدلنا نہیں چاہتا۔ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے دادا کی اس بات کے بعد برابر غم اور مصیبت ہمارے خاندان میں جاری رہی۔ (صحیح بخاری: رقم 5837)

عمومی وسوسہ:

اس موقع پر ایک عمومی بات ذکر کرتے ہیں۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ میرا بیٹا بہت بیمار رہتا ہے۔ بڑے علاج کرائے اور بڑے دم درود بھی کروائے، مگر پھر بھی بہت بیمار رہتا ہے۔ میں نے کسی سے معلوم کروایا تو اس نے حساب لگا کر بتایا کہ نام بدل دو، ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کے بیٹے کا نام کیا ہے؟ کہنے لگے کہ عثمان۔ اللہ تعالیٰ نے دل میں بات ڈالی تو میں نے کہا کہ بتایئے! کیا دنیا میں جتنے بھی عثمان ہیں، سارے ہی بیمار ہیں؟ کہنے لگے کہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ عثمان نام صحیح ہے، اس میں کوئی بیماری نہیں ہے۔ اچھا! یہ بتایئے کہ آپ عثمان نام کی جگہ کیا نام رکھیں گے؟ کوئی نام تو آپ کے ذہن میں ہوگا، یا پھر وہ بھی حساب لگانے والا بتائے گا؟ وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ جو نام بھی آپ رکھیں گے، بیماری تو ایک دن اس پر بھی آئے گی۔ کیا آپ پھر نام تبدیل کر دیں گے؟ غرض اُن کو سمجھ آ گئی۔

جب اچھا نام رکھ دیا تو اب بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں! نام بُرا ہو، مطلب ٹھیک نہ ہو تو پھر اور بات ہے۔ جب خوبصورت نام ہے، صحابی رسول کا نام ہے، اتنا پیارا نام ہے تو اس کو بدلنے کی کیا ضرورت ہے؟ شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں ہے کہ حساب و کتاب میں یہ نام صحیح نہیں۔ بعض لوگ یوں بھی پوچھتے ہیں کہ حضرت! اتنے بج کر اتنے منٹ پر ولادت ہوئی ہے۔ یہ ماں کا نام ہے، یہ باپ کا نام ہے، یہ دن ہے۔ اب بتائیں کہ کیا نام رکھیں؟ خوب توجہ دیجیے کہ شریعت کے اندر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اچھا نام رکھیں، خوبصورت نام رکھیں۔ اِدھر اُدھر لوگوں کے چکروں میں نہ پڑیں۔

نسبت کا خیال رکھیں:

نام رکھنے میں ایک اور بات کا خیال رکھیں۔ نسبت سے نام رکھیں۔ یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کے نام پر، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نام پر، یا پھر مستند اولیائے کرام کے نام پر بھی نام رکھ سکتے ہیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضراتِ انبیاء کے نام پر نام رکھو، اور خدا کے نزدیک پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، اور سچے نام حارث اور ہمّام ہے، اور بُرے نام حرب اور مُرّہ ہے۔ (سنن ابی داؤد: رقم 4950)

جس نے نسبت سے نام رکھا، وہ مطلب کے پیچھے نہیں جائے گا اِن شاء اللہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کے نام سے آدم رکھنا، یا حضرت نوح علیہ السلام کے نام پر نوح نام رکھنا ٹھیک ہے۔ ان کی نسبت بڑی اونچی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا اصل نام عبدالغفار تھا۔ اتنا اللہ کے سامنے روئے کہ نوح یعنی رونے والا نام پڑ گیا۔

والد کے نام سے پکار:

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: تم قیامت کے دن اپنے

نام اور اپنے والد کے نام سے پکارے جاؤ گے، اس لیے اچھے نام رکھو۔ (سنن ابی داود: رقم 4948)

دنیا میں اگر ہم کسی کو بُرا نام لے کر پکاریں اور پچاس آدمی بیٹھے ہوں، اس کو شرمندگی ہوگی یا نہ ہوگی؟ جب قیامت کے دن اوّلین وآخرین موجود ہوں گے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والا آخری انسان موجود ہوگا، اس وقت برے نام سے پکارا جانا کیسا لگے گا؟ اس لیے خوب صورت نام رکھا جائے تا کہ قیامت کے دن آدمی کو اسی خوب صورت نام سے پکارا جائے۔

متکبرین کے نام پر نام نہ رکھیں:

علماء فرماتے ہیں کہ جو متکبر اور جابر بادشاہ گزرے ہیں ان کے ناموں پر نام نہ رکھا جائے۔ اور ویسے کوئی رکھتا بھی نہیں جیسے: ابوجہل، فرعون، نمرود وغیرہ۔ اسی طرح شہنشاہ نام رکھنا صریح منع ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ غریب آدمی تھے، بلکہ غلام بھی تھے، لیکن اللہ کی محبت کی وجہ سے لوگ اُن کے نام پر نام رکھتے ہیں۔ ہم نسبت کی وجہ سے نام رکھیں۔ اچھا نام رکھیں اور ناموں کو بگاڑیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

جیسی زندگی ویسی موت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا ۚ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

(الزمر: 42)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

انسانی زندگی

اپنے بندے کی تخلیق کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿١٨﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿١٩﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿٢١﴾ (عبس:21-18)

پہلے یہ نطفہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ٹھیک انداز سے قائم کیا۔ پھر اس کے دنیا میں آنے اور رہنے کے معاملے کو آسان کیا۔ پھر اس کے بعد اسے موت دی اور اس کی قبر بن گئی اور یہ قبر میں چلا گیا۔ یہی کُل زندگی ہے ہماری۔

جیسی زندگی ویسی موت

کہا جاتا ہے کہ جیسی تم زندگی گزارو گے ویسی موت آئے گی۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم کس ڈھب پر زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر ہم نیکی پر زندگی گزاریں گے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ نیکی پر موت آئے گی، اچھی موت آئے گی، عافیت والی موت آئے گی۔ اور اگر ہم خدانخواستہ گناہوں والی زندگی گزاریں گے تو پھر موت بھی ویسی آئے گی، اور موت کی تکلیف بھی ہوگی۔ مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يبعث كل عبد على ما مات عليه. (صحیح مسلم: رقم 2878)

یعنی جس حالت اور جس عمل پر انتقال ہوتا ہے اسی حالت پر قیامت کے دن اس کو اُٹھایا جائے گا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بندہ ساری زندگی ٹی وی دیکھتا رہے، اسکرین کے تماشے دیکھتا رہے اور سجدے میں موت آجائے۔ یہ مشکل بات ہے۔ ہاں کوئی نصیب والا ہو تو الگ بات ہے۔ عام اُصول یہ نہیں ہے۔

چھکا لگا اور مر گئے

ایک واقعہ میں نے بہت دفعہ سنایا ہے۔ ایک صاحب کے پاس ان کے والد کی تعزیت کے لیے گیا۔ ان کے والد کا چند روز پہلے انتقال ہوا تھا۔ کہنے لگے کہ ابراہیم بھائی! میرے والد بالکل ٹھیک تھے، کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ بس کرکٹ میچ چل رہا تھا، کھلاڑی نے چھکا لگایا تو والد صاحب نے یوں دونوں ہاتھ اوپر کیے اور اوپر کے اوپر ہی چلے گئے۔ کیا موت آئی ہے!! نہ کلمہ، نہ کوئی خیر کی توفیق۔ فسق و فجور میں پڑے پڑے دنیا سے چلے گئے۔

ناگہانی اَموات

اسی طرح لوگ گاڑیوں کے اندر میوزک سنتے ہیں، کبھی بھی ایکسیڈنٹ ہو سکتا ہے۔ اللہ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت کرے۔ گاڑی میں میوزک چل رہا ہے، یا بس چل رہی ہے اور میوزک چل رہا ہے اسی میں اگر کوئی ایکسیڈنٹ یا کوئی حادثہ ہو گیا اور موت واقع ہو گئی تو گانا سنتے ہوئے گئے۔ تو اب اسی حالت میں اٹھایا جائے گا، اس بیہودہ حالت میں اُٹھیں گے۔ کون ایسی موت کو پسند کرے گا؟ یہ بڑی ناگہانی موت ہے جس میں آدمی کو سنبھلنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور ایک وہ موت بھی ہوتی ہے، اللہ کے ایسے پیارے بندے بھی ہوتے ہیں جو احرام کی حالت میں ہوتے ہیں، لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کے ترانے پڑھتے جاتے ہیں اور حرمِ مکہ میں ان کا انتقال ہو جاتا ہے، اور بیتُ اللہ شریف میں اُن کی نمازِ جنازہ بھی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ قیامت کے دن اِحرام کی حالت میں اُٹھیں گے۔ اسی طرح کچھ لوگوں کا نماز کی حالت میں انتقال ہو جاتا ہے۔

اچھی اور بُری اُمید

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھی اور بُری موت کیسے آتی ہے؟ دیکھیے! جیسی ہماری زندگی ہوتی ہے، ویسی ہماری موت ہوتی ہے۔ زندگی اِطاعت والی ہو تو اللہ تعالیٰ اِطاعت کی حالت میں بلا لیتے ہیں، اس کا وہ آخری عمل ایک حجت بن جاتا ہے۔ اور خدانخواستہ زندگی اگر معصیت والی ہو اور توبہ نہ کی ہو تو اسی حالت میں بسا اوقات اُٹھالیا جاتا ہے۔ کنز العمال کی روایت میں حضرت ابنِ عمرو رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اگر کوئی اچھا عمل کرتا ہوا مر جائے تو اس کے لیے اچھی امید رکھو (نیکی کی زندگی گزار رہا تھا، دین پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، ظاہری زندگی اس کی اچھی تھی۔ اور آگے فرمایا کہ) اگر برا عمل کرتے ہوئے مرا ہے تو اس پر خوف کرو مگر نا اُمید نہ ہونا۔ (کنز العمال: رقم 42779)

برائی کرنے والے کو نماز کی عادت کوئی نہیں تھی، شریعت کے احکامات کی پابندی کوئی نہیں تھی، اس حالت پہ اگر مرا ہے تو اس پر عذاب کا خوف ہوگا کہ ظاہری حالت اس کی اچھی نہیں ہے۔ ہاں! لیکن چوں کہ کلمے والا تھا، ایمان والا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے نا اُمید نہ ہونا، کبھی نہ کبھی جہنم سے نکل کر آئے گا۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بخار

بعض مرتبہ لوگ کہتے ہیں کہ یا اللہ! چلتے ہاتھوں پیر اُٹھالینا کہ کوئی پریشانی نہ ہو، کوئی غم اور بیماری نہ آئے، ایسے ہی چلے جائیں، مزے مزے سے رہیں اور مزے مزے سے چلیں جائیں۔ بھائیو! موت سے پہلے جو بیماری آتی ہے ایک تو یہ کہ سنت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے پردہ فرمانے سے پہلے بخار تھا۔ آخری وقت میں موت کی سختی کی تکلیف محسوس فرمائی تو قریب برتن میں پانی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ہاتھ ڈالتے اور پھر

اپنے چہرے مبارکہ پر پھیرتے۔ اور یہ دعا کرتے جاتے تھے:

اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ -أَو- سَكَرَاتِ الْمَوْتِ. (سنن الترمذي: رقم978)

''اے اللہ! موت کی سختی میں میری مدد فرما''۔

اللہ کے نبی ﷺ نے اس حالت میں بھی اپنی اُمت کو اللہ تعالیٰ سے مانگنا سکھا رہے ہیں کہ موت کی سختی میں کمی کی دعا کرو۔ اس طرح سے جو پاس بیٹھنے والے ہوں گے، وہ بھی دعائیں کریں گے کہ یا اللہ! اس کے ساتھ رحمت فرمائیے۔ جو بندہ موت سے کچھ عرصہ پہلے بیمار رہا، یہ بڑی نعمت ہے۔

اللہ والے کی حکایت

حضرت مولانا بشیر احمد شاہ جمالی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مرشدِ عالم مولانا غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مُجاز تھے۔ ملتان کے ایک ہسپتال میں ڈائیلاسز ہو رہے تھے۔ عیادت کے لیے حاضر ہوا۔ اسپتال میں ایک میں تھا اور دو یا تین اور لوگ تھے۔ ان کی عیادت کی، سلام کیا، بہت کمزور اور نحیف البدن تھے۔ غالباً ستر سے زیادہ عمر تھی۔ ہاتھ میں ہاتھ دیا اور اس کے بعد کچھ نصیحتیں کرنے لگے اور رونے لگے۔ روتے روتے کہنے لگے کہ زندگی بھر دوکانداری کرتے رہے، زندگی بھر لوگوں کو اپنی بڑائی کرتے رہے۔ اللہ کے لیے تو کچھ بھی نہ کیا۔ زندگی ایسے ہی گزار دی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کچھ اس قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ کہنے لگے کہ اخلاص تو اسی حالت میں اور اسی وقت نصیب ہوتا ہے۔ وہ ایک عجیب بات سمجھا رہے تھے۔ انتقال کے بعد جب انہیں دفن کیا تو اُن کی قبر سے خوشبو آئی تھی الحمدللہ! بہرحال ایک عجیب نقطہ اس دن انہوں نے سمجھا دیا۔ وہ یہ کہ ایک عام آدمی ہو یا کوئی بیان کرنے والا عالم ہو یا کوئی صاحبِ سنت ہو یا کوئی عالمہ ہو یا دین کی سمجھ رکھنے والی

کوئی طالب ہو۔ عام طور سے ان لوگوں کے لیے اخلاص سنبھالنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ بہت مشکل کام ہے۔ لیکن وہ عجیب نقطہ دے گئے۔ کہنے لگے کہ ابراہیم بیٹا! اِخلاص اسی وقت نصیب ہوتا ہے۔ کیا مطلب؟ اب یہ تشریح تو میری اپنی ہے، اُن کی نہیں ہے۔ میرا گمان یہ ہے کہ اخلاص نصیب ہونے سے اُن کی مراد یہ ہوگی اعضاء وجوارح کام کرنا چھوڑ دیں۔ محتاج ہو گئے کسی کے بغیر چل نہیں سکتے۔ اور صحت نہیں رہی۔ حالات نہیں رہے اور بیماری آگئی۔ اور بیماری کے اندر جب انسان کمزور ہو کے ٹوٹتا ہے، اور پھر اس وقت سچی توبہ کرتا ہے کہ اے اللہ! مہربانی فرما کر اب تو معاف کر دے کہ اب پلٹ کر میں نے غلط کام نہیں کرنا۔ اب تو اے اللہ! کرم کر ہی دے۔

کامل توجہ الی اللہ کی ضرورت

جب بندہ بیمار ہو کر اللہ سے لَو لگاتا ہے اور تڑپتا ہے اور روتا ہے اور کوئی خیال کرنے والا بھی نہ ہو۔ سوچیے تو سہی کہ جب جسم کے مرکزی اعضا کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور یہی جسم بستر پر پڑا ہوتا ہے۔ اس وقت اگر دس آدمی بھی موجود ہوں تو کیا کر لیں گے؟ یہی بات سمجھائی جا رہی ہے کہ موت سے چند مہینے، چند ہفتے پہلے کی بیماری اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ بیمار ہوگا تو توجہ الی اللہ ہوگی۔ لیکن توجہ الی اللہ بھی اس کو ہوگی جس کو فکر ہوگی کہ مجھے مرنا ہے۔ میرے وقت کا حساب ہوگا، زندگی کا حساب ہوگا، مال کا حساب ہوگا، علم کا حساب ہوگا۔ الامان والحفیظ! آج تو مرتے وقت بھی، بیماری کی حالت میں بھی نہ جانے کیا کچھ آنکھیں گندی کر رہے ہوتے ہیں۔ ذہن کسی اور طرف متوجہ رکھتے ہیں۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ اس طرح تکلیف نہیں ہوگی۔ بات پھر وہیں آئے گی کہ جیسی زندگی گزاریں گے ویسی موت آئے گی۔

موت سے غفلت کے واقعات

مریض کی عیادت کے سلسلے میں ہسپتالوں میں کئی مرتبہ جانا ہوا۔ایک ہارٹ پیشنٹ کی عیادت کے لیے ہسپتال میں گیا۔بستر کے ساتھ ہی ریڈیو پڑا ہوا تھا جس پر شاید کوئی میچ چل رہا تھا۔ستر سال سے اوپر کے بوڑھا کو بھی ایسے وقت میں کرکٹ کی پرواہ ہے، تو پھر اسے کلمہ کب یاد آئے گا۔ابھی بھی کرکٹ کی پرواہ ہے اور خدا کی یاد نہیں۔

ایک اور ہارٹ پیشنٹ کی عیادت کے لیے والد صاحب کے ساتھ گیا۔ جب ہم کمرے میں داخل ہوئے تو اُن کے سامنے اسکرین پر گانے چل رہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی کہا کہ چلو جی ! شریعت آنے لگی ہے، شریعت نافذ ہو جائے گی اس کو بند کر دو۔ بتایئے کہ کیا میرے لیے مرنا ہے؟ آئی سی یو کے کمرے میں تو صرف فاتحہ اور سورۂ یٰسٓ کی تلاوت ہونی چاہیے، آخرت کی یاد ہونی چاہیے۔ ایسے کمرے میں ناچ گانے اور ڈرامے، ٹی وی وغیرہ کا کیا کام؟ وہاں سے تو عموماً روز لاشیں نکلتی ہیں۔ وہاں یہ اسکرین کیوں لگی ہوئی ہے؟ بس بات یہی ہے کہ جیسی زندگی ہوگی ویسی موت ہوگی۔ اب جس کی زندگی اسکرین کے تماشوں کے ساتھ گزاری ہے، موت کلمے والی نہیں آئے گی۔ یہی ناچ گانے دیکھتے ہوئے آئے گی۔ یہ آخرت کی یاد دلانے کے لیے کچھ حقائق ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اچھی موت عطا فرمائے۔ اور اس کی فکر عطا فرمائے۔ اچھی فکر کے بغیر اچھی موت نہیں آئے گی۔ اس کے لیے ہمیں فکرمند ہونے کی ضرورت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پریشانی

اُمّ المؤمنین امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت کسی پر موت کی سختی تھی اور سانسیں گھٹ رہیں تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ پریشانی کی

حالت میں ہے تو مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کی عائشہ پریشان اور مایوس نہ ہو یہ اس کے لئے بھلائی ہے یہ موت کی سختی گناہوں کا کفارہ بن جائے گی یا درجات کی بلندی کا ذریعہ بن جائے گی۔ امی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے اس طرح کی تکلیف سے اچھا نہیں لگتا تھا عجیب طرح سے پریشان ہو جاتی تھی کی پتہ نہیں اس کا کون سا عمل برا ہے کہنے لگیں کہ جب میں نے نبی ﷺ کو اس تکلیف میں دیکھا تو تب مجھے یقین ہو گیا کہ واقعتا یہ رحمت ہے اور کسی بد عملی کی وجہ سے نہیں ہوا کرتا یہ تو اللہ کی طرف سے رحمت کے فیصلے ہوا کرتے ہیں۔ یہ بیمار ہو جانا یہ اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔

ایک حدیث میں ہے ایک کتاب ہ ہ شمائل کبری اس میں یہ حدیث لکھی ہوئی ہے اور اس میں ریفرنس ہے مجموعہ (11:40) اور کشف الاسناد کا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی ﷺ نے ایک بدو دیہاتی آیا اس سے پوچھا کیا تمہیں بخار ہوتا ہے تو کہنے لگا کہ بخار کیا ہوتا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ انسان کا سارا گا شت سارا جسم گرم ہو جاتا ہے تو کہا مجھے تو نہیں ہوتا تو پوچھا کیا تمہیں سر کا درد ہوا کبھی تو کہنے لگا کہ یہ سر کا درد کیا ہوتا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کی سر کی رگوں میں پھٹن ہوتی ہے کہنے لگا مجھے یہ بھی کبھی نہیں ہوا اور جب وہ چلا گیا تو فرمایا کہ اہل دوزخ میں سے کسی کو دیکھنا ہو تو اس کو دیکھ لو۔ یہ تکلیفیں یہ بیماریاں اللہ کے انعامات میں سے ہیں اللہ کے کرم میں سے ہیں۔ جبیر بن مطعافؓ سے روایت ہے کہ اللہ پاک بندے کو بیماری میں مبتلا فرماتے ہیں تا کہ اس کے تمام گناہ دنیا ہی میں معاف ہو جائیں قبر میں جائے تو گناہوں سے پاک ہو کر جائے۔ اللہ تعالی کتنی رحمت کا معاملہ فرما دیتے ہیں اور ایک حدیث میں بھی آتا ہے کہتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالی کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا نیکی کا خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو استعمال کر دیتے ہیں۔ پوچھا کہ استعمال سے کیا مراد؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لئے موت سے کچھ عرصہ قبل نیک عمل کا دروازہ کھول دیا

جاتا ہے یہاں تک کہ لوگ اس سے خوش ہوجاتے ہیں کہ گناہ کا راستہ چھوڑ دیا پہلے داڑھی نہیں تھی داڑھی رکھ لی نماز نہیں پڑھتا تھا اب نماز شروع کر دی مسجد نہیں جاتا تھا مسجد جانا شروع کر دیا لوگوں سے لڑتا بھڑتا رہتا تھا اب اخلاق سے پیش آنا شروع ہو گیا پہلے ہر جگہ بیچ میں گھس جاتا تھا اب کونے میں ہو گیا اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا تہجد شروع کر دی۔ یعنی موت سے کچھ عرصہ قبل کسی کی حالت اچھی ہو جائے تو یہ اللہ نے اس کے لئے خیر کے دروازے کھول دیئے۔ یہ اللہ کی رحمت اور نعمت ہوا کرتی ہے اس کی کئی وجوہات ہوتی ہیں بعض دفعہ کسی کی دعا لگ جاتی ہے کچھ دیا کام آجاتا ہے بعض دفعہ کوئی نیک صحبت مل جاتی ہے اور بعض دفعہ اپنے ہی ایسے دغا کر جاتے ہیں کہ سب چھوڑ دیتے ہیں پھر اس کو اللہ کے سوا کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ نہ ظاہر میں کوئی نظر آتا ہے کہ سہارے چھوڑ کر چلے گئے میرا کوئی نہیں رہا پھر ایسے میں دل سے وہی بات نکلتی ہے میرا کوئی نہیں ہے اللہ تیرے سوا جب دل سے بات نکل جاتی ہے پھر مزے آجاتے ہیں۔ پھر زندگی آسان ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث مبارکہ سے ایک دو باتیں اور بھی ملیں وہ کہتے ہیں نہ کہ نوسو چوہے کھا کہ بلی حج کو چلی۔ ارے نوسو کیا نو کڑوڑ کھا کے بھی چلے تو اچھی بات ہے آئی تو سہی نہ حج پہ۔ کہتے ہیں کہ جی ساری زندگی گزار لی ایسے ہی اب آخری وقت میں کیا ٹھیک ہونا تو صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے اس کو بھولا نہیں کہتے تو ہم اچھی ہی حالت کا اعتبار رکھیں گے جس کی حالت موت کے وقت جتنی خوبصورت ہوگی اتنا ہی معاملہ آسان ہوجائے گا۔ اور ایک حدیث میں اس طرح سے آتا ہے اماں عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ رب العزت کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کی موت سے ایک سال قبل ایک فرشتہ اس کے پاس بھیج دیتے ہیں جو اسے ٹھیک رکھتا ہے۔ اعمال سالحہ کی رہنمائی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی موت اچھی حالت پر ہوجاتی ہے ایک سال سے مراد صرف ایک سال ہی نہیں کچھ عرصہ پہلے بھی وہ چھ مہینے بھی ہو سکتے ہیں دو سال بھی ہو سکتے

ہیں کوئی بھی وقت ہوسکتا ہے۔اللہ رب العزت اس کے لئے خیر کے راستے کھول دیتے ہیں۔تو آخری وقت کا اعتبار ہوگا کہ انجام کیسا ہوا اللہ رب العزت ہم سب کا خاتمہ ایمان پر عطا فرمائے موت کی سختی سے ہماری حفاظت فرمائے اور ہمیں تحفے والی موت عطا فرمائے اس کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں موت کی یاد رکھتے ہوئے زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔جو اپنی موت کو یاد رکھے گا اس کے بہت سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔اللہ تعالی ہم سب کو جہنم کی آگ سے محفوظ فرمائے۔ایک بات اور یاد آ گئی دورانِ مراقبہ کہ میری والدہ کا انتقال 27 جولائی 2003 کو ہوا تھا 42 یا 43 ان کی عمر تھی تو انتقال سے ایک ڈیڑھ دن پہلے میں ہسپتال میں تھا والدہ کے پاس میری بہن بھی تھی۔امی بستر پر تھیں کافی ساری چیزیں لگیں ہوئی تھیں۔یورین بیگ بھی لگا ہوا تھا شاید آکسیجن بھی لگی ہوئی تھی اور کنولا لگا ہوا تھا کئی مختلف قسم کی چیزیں لگی ہوئی تھیں۔یعنی چاروں طرف سے جیسے بندہ جکڑہ ہوتا ہے مختلف چیزوں میں وہ جکڑیں ہوئی تھیں۔اس وقت میں کھڑا ہوا تھا امی کے پاس تو دوپٹہ سر پر پورا نہیں تھا تھوڑا سا سرکا ہوا تھا اور باقی ہر چیز ایسی تھی کی انسان اپنی مرضی سے کروٹ بھی نہیں لے سکتا تھا اتنی ساری چیزیں لگی ہوئی تھیں تو اچانک کراچی سے شکیل چاچو اور چاچی آئیں چاچی میری خالہ بھی ہیں اور چاچی بھی ہیں تو وہ سیدھا اندر آ گئیں اچھا اب چاچو بھی بے احتیاطی میں کسی طرح ڈائریکٹ اندر آ گئے۔میں نے اس وقت اپنی والدہ کو دیکھا کہ جیسے ہی انہوں نے دیکھا کہ نامحرم آ رہا ہے میں اللہ کو حاضر ناضر جان کر یہ بات بیان کر رہا ہوں کہ یہ ان کا عمل میں نے دیکھا ہے ان کے آخری اعمال میں سے یہ عمل تھا کہ جیسے ہی انہوں نے دیکھا کہ نامحرم اندر آ گیا تو فوراً انہوں نے کوشش کی کہ اپنے کمزور ہاتھوں کو دوپٹے تک لے جانے کی کہ میں چہرہ ڈھکنے کی کوشش کرلوں اور دوپٹہ آگے لے آؤں وہ ایس اکر نہیں سکیں اپنی کمزوری کی وجہ سے لیکن یہ ایسا عمل ہے کہ جس وقت انسان پریشانی میں بیماری میں اسپتال میں پڑا ہے اور اس کی

کتنی عجیب کیفیت ہوا کرتی ہے لیکن اس وقت بھی ایک دم دیکھا کہ کوئی نامحرم آ گیا تو فوری طور پر پردہ کرنے کی کوشش کی اب جس کا یہ عمل ہو گا وہ جنت میں کیوں نہیں ہو گا پھر اس کے بعد وینٹی لیٹر بھی لگا اور وینٹی لیٹر لگنے کے پاس اللہ رب العزت نے اپنے پاس بلا لیا۔ اللہ کے پاس چلی گئیں اور مجھے یہ بھی یاد ہے کہ جو وینٹی لیٹر کا زمانہ تھا وہ چھ سات نمازوں کا ٹائم ہو گا اور بالکل آخری آخری جو ٹائم تھا وہ چھ یا سات نمازوں کا ہم نے فدیہ ادا کیا اپنی طرف سے ورنہ وینٹی لیٹر پر جو بندہ چلا جاتا ہے تو میرے خیال میں نماز بھی اس پر ساقط ہو جاتی ہے کہ وہ ہوش میں تو ہوتا نہیں جو ہوش میں نہیں وہ نماز کا مکلف نہ رہا۔ ساری زندگی نماز قضاء نہیں کی۔ کوئی نماز کا فدیہ نہیں دینا پڑا کہ چھ مہینے کہ نمازیں قضاء ہیں یا چھ سال کی نمازیں قضاء ہیں وہ پانچ سات یا آٹھ نمازیں تھیں اس وقت یاد تھا اب تو یاد نہیں پر جو بھی کچھ تھا وہ تھوڑا بہت دے دیا تھا کہ چلو ایک ایسی عورت کہ جس نے زندگی میں کوئی نماز قضاء نہیں کی اس کی پانچ چھ وینٹی لیٹر والی ہی سہی چلو فدیہ ادا کر دیتے ہیں۔ اپنی طرف سے اللہ کے سامنے عاجزانہ عمل کر لیتے ہیں۔ اب ایک بات اور یاد آ گئی کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت امی سے ملاقات ہوئی ابراہیم رات کو نماز پڑھی تھی عشاء کی؟ میں چپ ایک زمانہ گزرا ایسا جاہلیت کا ابھی بھی جاہلیت کے زمانے میں ہیں مگر وہ زیادہ جاہلیت کا تھا تو اس میں بس ماں باپ کو دکھانے کے لئے پڑھنی ہوتی تھی۔ میں چپ جواب ہی کوئی نہیں۔ امی نے کہا میری دعا ہے کی تجھے رات کو کبھی نیند ہی نہ آیا کرے جب تک تو نمازیں پوری نہ کر لیا کرے پھر کہنے لگیں مجھے سمجھ نہیں آتا کہ تمہیں نیند کیسے آ جاتی ہے بغیر نماز پڑھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

موت کی تکلیف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًاؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝۲

(الملک:2)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

سب سے آخری تکلیف

دنیا میں یہ تو کسی کو معلوم نہیں کہ کون پہلے جائے گا، لیکن اتنا تو ہر ایک کو ضرور علم ہے کہ

ہم سب نے دنیا چھوڑ کر جانا ہے۔ دنیا کے غم اور پریشانیاں ایمان والوں کے لیے نعمت اور راحت ہوتی ہیں۔ ایمان والا ساری زندگی مختلف غم اور پریشانیاں اٹھاتا ہے، اگر صبر کرتا رہے تو ہر تکلیف پر اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سب سے آخری تکلیف اس دنیا کی جو مؤمن کو ملتی ہے وہ موت کی تکلیف ہے، اس کے بعد اس کو کوئی تکلیف دنیا میں نہیں ملتی۔

(الثبات عند الموت: ص 59)

اور جو اللہ والے ہوتے ہیں، جن کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے وہ خوشیوں سے زیادہ غموں کو پسند کرتے ہیں۔ حضرت جی رحمہ اللہ ایک شعر پڑھتے ہیں اس کا ترجمہ اس طرح سے ہے:

میں خوشیوں کو دکھوں پر قربان کر دوں
کہ دکھ آتے ہیں تو اللہ سے ملا دیتے ہیں
خوشیاں سلاتی ہیں اور غم جگاتے ہیں

روح نکلنے کی تکلیف

یہ ایک اُصول ہے کہ جو سب سے آخری غم اور تکلیف انسان کو پہنچتی ہے وہ نزع کی تکلیف ہے۔ روح نکلنے کی تکلیف کا ایک ایک رَگ میں اِحساس ہوتا ہے۔ انسانی جسم میں جتنی رَگیں ہیں، روح نکلنے کی تکلیف کا ہر رَگ میں الگ اِحساس ہوتا ہے۔ عمر بن العزیز رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے اوپر موت کی سختی کا عالم نہ آئے، (یعنی میں تو موت کی سختی کو پسند کرتا ہوں) کیوں کہ یہ آخری عمل ہوتا ہے (دنیا میں) جس سے ایمان والوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (الثبات عند الموت: ص 59)

سبحان اللہ! کیسے سوچتے ہوں گے۔ موت کی تکلیف تو ہر ایک کو پیش آنی ہے۔

نبی ﷺ کا عمل

نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ موت کے قریب آپ ﷺ کے پاس پانی کا پیالہ رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اس میں بار بار ہاتھ مبارک داخل فرماتے اور چہرے مبارک پر ملتے اور یوں فرماتے:

اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ أَوْسَكَرَاتِ الْمَوْتِ. (سنن الترمذي: رقم 978)

ترجمہ: ''اے اللہ! موت کی شدّت اور سختی میں میری مدد فرما''۔

یہ دعا ہمیں بھی یاد کرنی چاہیے۔ موت کا تو کوئی نہیں پتا کہ کس وقت آجائے۔ اس دعا کو ہم یاد کرتے رہیں تا کہ جب اپنے اوپر موت کا معاملہ پیش آئے تو اس دعا کو ہم پڑھتے رہیں۔ یہ سنّت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں یہ عطا فرمائے کہ موت کے قریب میں یہ مسنون دعا پڑھنے والے بن جائیں۔ ایک اور دعا بھی حدیث میں ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَأَلْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ.

(صحيح البخاري: باب تمني المريض الموت)

ترجمہ: ''اے اللہ! میری مغفرت فرما، اور مجھ پر رحم فرما، اور مجھ کو اچھے رفیقوں (فرشتوں اور پیغمبروں) کے ساتھ ملا دے''۔

صحیح اور غلط کی پہچان

موت کے وقت بعض دفعہ ایمان والوں کو تکلیف محسوس ہوتی ہے اور اردگرد والے دیکھتے ہیں کہ نیک آدمی ہے، اس کو تکلیف ہو رہی ہے۔ اور بعض دفعہ فاسق و فاجر دنیا دار قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور انہیں موت کی تکلیف نہیں ہوتی۔ اس بات سے کوئی وسوسے میں پڑ جاتا ہے کہ یا اللہ! یہ نیک تھا اس کو تکلیف ہوئی، اور گناہ گار کو تکلیف نہ

ہوئی۔ بھائیو! یہ دنیا کی چیزیں ہیں۔ دنیا کے کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جس میں انسان دھوکے میں پڑ جاتا ہے اور صحیح اور غلط میں پہچان نہیں کر پاتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مؤمن اور اس کی بیماری کا معاملہ بڑا عجیب ہے، اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس بیماری میں اسے کیا کچھ (اَجر) مل رہا ہے تو وہ ہمیشہ بیماری کو ہی پسند کرے گا۔ (ترغیب وترہیب: رقم 5194)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو کوئی مؤمن مرد اور مؤمن عورت، اور مسلمان مرد اور مسلمان عورت بیمار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اُن کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

(ترغیب وترہیب: رقم 5197)

کتابوں میں لکھا ہے کہ مؤمن جو برائی یا گناہ کرتا ہے اس کی وجہ سے موت کے وقت اس پر سختی ہوتی ہے تاکہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی موت کی تکلیف آئی اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی یہ تکلیف پیش آئی۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کے پاس صاف ستھرا ہو کر جاتا ہے۔ اور اگر کسی کافر یا فاسق کی کوئی نیکی باقی ہوتی ہے تو اسے اس کی نیکی کا دنیا میں بدلہ دے دیا جاتا ہے، قیامت کے دن اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔

غم کیا ہونا چاہیے؟

اللہ تعالیٰ کے پیمانے کتنے عجیب ہیں۔ یہ باتیں اگر ہمیں سمجھ آ جائیں تو پھر یہ غم غم نہ رہیں۔ جن کو آج ہم غم کہتے ہیں، اللہ کی قسم! یہ غم کہلانے کے قابل ہی نہیں ہے۔ غم کونسے ہیں؟ کلمے والی موت آ جائے، موت کے وقت کلمہ مل جائے، قبر کے اندر معاملہ آسان ہو جائے، قیامت والے دن نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں مل جائے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا

شَرَف مل جائے، شفاعت مل جائے، پل صراط کا معاملہ آسانی سے کراس ہو جائے، بغیر حساب کے جنت مل جائے۔ اتنے بڑے بڑے یہ غم ہیں۔ جن کے سامنے یہ غم ہوتے ہیں وہ دنیا کے غموں کو غم سمجھتے ہی نہیں۔ اور جن کے سامنے سے یہ چیزیں ہٹ جائیں، یہ منظر ہٹ جائے وہ دنیا کے غموں کی وجہ سے مرنے کی دعائیں کرنے لگتے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ترغیب

سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے تو یوں فرماتے کہ اگر تم قتل یعنی شہید نہ کیے گئے تو بستر پر مرو گے۔ اگر تم اللہ کے راستے میں نہ مارے گئے تو بستر پر مرو گے، اور قسم ہے اس جان کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! ہزار جگہ تلوار کی کاٹ سے مرنے کی تکلیف میرے لیے بستر پر مرنے سے بہتر ہے۔ (الذریعة إلی مکارم الشریعة)

مرنے کی متعین جگہ

جس طرح مرنے کا وقت متعین ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی آدمی کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو اسے بلا یا لیا جاتا ہے۔ ایسے ہی جس جگہ پر موت آنی ہوتی ہے اللہ ربّ العزّت آخری وقت میں اس بندے کو وہاں بھیج دیتے ہیں۔ ایسا کوئی انتظام کر دیتے ہیں کہ وہ خود وہاں پہنچ جاتا ہے جہاں اس کی موت مقدّر ہوتی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک جماعت پر سے ہوا جو قبر کھود رہے تھے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کس کے لیے قبر کھود رہے ہو؟ عرض کیا کہ ایک حبشی آدمی (حبشہ سے) آیا تھا، اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ! اللہ تعالیٰ اِسے دوسری زمین و آسمان سے اُس زمین کی طرف لے آئے

جس کی مٹی سے اسے پیدا کیا تھا۔ (مجمع الزوائد: رقم 4226)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر پیدا ہونے والے بچے کی ناف میں مٹی کا وہ ذرّہ ہوتا ہے جس سے اس کی پیدائش ہوئی ہے، پھر ایک وقت آتا ہے کہ انسان ارذلِ عمر (بڑھاپے) کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، (پھر موت اسے آلیتی ہے اور وہ اسی میں دفن ہوتا ہے جس سے اس کی پیدائش ہوئی تھی۔ اور میں (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ابوبکر اور عمر کی پیدائش ایک ہی مٹی سے ہوئی ہے، اور اسی میں ہی ہم دفن کیے جائیں گے۔ (تاریخ بغداد: رقم 737)

ہمیں یہ تو نہیں معلوم کہ کس وقت موت آئے گی؟ کس زمین پر موت آئے گی؟ ہاں! اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کریں کہ اللہ! شہادت عطا فرما، اور جنت البقیع میں دفن ہونا عطا فرما۔ جب ہماری یہ دعائیں ہوں گی تو کسی بہانے آخری وقت میں حج وعمرے کے لیے پہنچ ہی جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ معاملہ آسان فرمائے آمین۔

شیطان کا بڑا حملہ

شیطان موت کے وقت سب سے بڑا حملہ کرتا ہے۔ باقی بہت سے کام چیلے چانٹوں سے لیتا ہے، لیکن جب بندے کی موت کا وقت آتا ہے، روح نکلنے کا وقت ہوتا ہے تو بالکل سامنے آکر شرک وکفر کا، اور دیگر مختلف گناہوں سے انسان کو ترغیب دیتا ہے اور کافر بنانے کے لیے پوری کوشش کرتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جو دین دار لوگ ہیں، اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور جو فاسق وفاجر قسم کے ہوں، علماء کو برا کہنے والے اور دین سے دور ہوں، شیطان کا داؤ ان پر چل جاتا ہے اور یہ اکثر اوقات کلمے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بڑا مشہور ہے۔ جب اُن کا تقریباً آخری وقت تھا اور بار بار غشی طاری ہو رہی تھی۔ لوگ کلمے کی تلقین کر رہے تھے اور آپ فرما رہے تھے: ابھی نہیں، ابھی نہیں۔ لوگ حیران ہوتے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ اور کس سے کہہ رہے ہیں؟ کچھ وقت کے بعد جب طبیعت بحال ہوئی تو بیٹے نے پوچھا کہ ابا جان! یہ کیا معاملہ ہے جو آپ فرما رہے تھے: ابھی نہیں، ابھی نہیں؟ کہنے لگے کہ شیطان بد بخت میرے سامنے آیا تھا اور مجھ سے کہہ رہا تھا کہ احمد! تُو میرے چنگل سے نکل گیا، میرے قابو میں نہیں آیا۔ میں اس کو جواب دے رہا تھا کہ او بد بخت! نہیں، ابھی نہیں، جب تک روح نہیں نکل جاتی تجھ سے اَمن نہیں۔ یہ شیطان اتنا بڑا دشمن ہے۔

موت کے وقت فرشتوں کا آنا

ملک الموت جو تمام لوگوں کی جانوں کو قبض کرتے ہیں، اُن کے سامنے پوری دنیا ایسی ہے جیسے ہتھیلی میں کوئی چیز پڑی ہوتی ہے۔ ذرا سوچیں کہ وہ پوری دنیا کی چیزوں کو ایسے دیکھ رہے ہوتے ہیں جیسے انسان ہتھیلی میں پڑی کوئی چیز دیکھ رہا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میت کے پاس ملائکہ یعنی فرشتے آتے ہیں۔ اگر وہ آدمی نیک اور صالح ہوتا ہے تو فرشتے بڑے احترام سے کہتے ہیں کہ نکلو اے پاکیزہ روح! جو پاک جسم میں تھی۔ نکلو اے قابلِ تعریف! تمہیں خوشخبری ہو اللہ کی رحمت اور جنت کی، اور ربِّ (ذوالجلال) کے راضی ہو جانے کی۔ جب تک وہ نیک روح جسم سے نکل نہیں جاتی، فرشتے اس کو برابر یہی کہتے رہتے ہیں۔ (اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جاتی، نہ مارا جاتا ہے، نہ ڈانٹ ڈپٹ کچھ بھی نہیں ہوتا جیسا کہ گنہگاروں کے ساتھ کیا جاتا ہے) پھر فرشتے اس کی روح کو لے کر

آسمان کی جانب جاتے ہیں۔ اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ فلاں نیک آدمی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پاکیزہ جان کوخوش آمدید ہو جو پاکیزہ جسم میں تھی۔ (جنت میں) داخل ہو جاؤ اس حال میں کہ تم قابلِ تعریف ہو، اور تمہیں خوشخبری ہو اللہ کی رحمت اور جنت کی، اور اپنے رب کے راضی ہو جانے کی کہ وہ اب کبھی ناراض نہ ہوگا۔ اسی طرح ہر آسمان کے دروازے پر اسے یہی کہا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح کو اس آسمان پر پہنچا دیا جاتا ہے جس میں خود سبحانہٗ وتقدّس جلوہ اَفروز ہوتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: رقم 4262)

اللہ کو راضی کرنے والی روح کے ساتھ اعزاز واکرام کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور جو فسق وفجور کی زندگی گزارنے والے ہیں، اُن پر عذاب کے فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی جاتی ہے۔ اور جہنم کے اندر بھی فرشتے اُنہیں عذاب دے رہے ہوتے ہیں۔

نکتہ کی بات

ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیں، یہ موضوع تو نہیں ہے لیکن اِن شاء اللہ بات اچھی طرح سمجھ آ جائے گی۔ جہنم کے اندر فرشتے بھی ہوں گے اور جہنمی بھی ہوں گے، لیکن فرشتے تکلیف میں نہیں ہوں گے جبکہ اہلِ جہنم تکلیف میں ہوں گے۔ دیکھیے! دلیل، تھانے کی جیل میں قیدی بھی ہوتے ہیں اور پولیس والے بھی ہوتے ہیں۔ بتائیے کہ تکلیف میں کون ہوتا ہے؟ قیدی ہوتے ہیں جبکہ پولیس والے تکلیف میں نہیں ہوتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ کچھ فرشتوں کو جہنمیوں پر ذلت اور رُسوائی کے لیے کھڑا کر دیا ہے۔

صحبت کی اہمیت

دنیا میں انسان جن لوگوں کے ساتھ وقت گزارتا ہے، موت کے وقت بھی وہی لوگ

اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ حضرت یزید بن شجرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہر انسان کے انتقال کے وقت اس کے رُفقاء اور ہمنشینوں کی تصویر اس کے سامنے لائی جاتی ہے، اگر اس کے ہمنشین کھیل تماشے والے ہوتے ہیں، تو یہ اس میں پڑ جاتا ہے (ویسی حرکتیں کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ کلمہ پڑھنے سے غفلت ہوجاتی ہے) اور اگر اس کے ہمنشین اللہ کو یاد کرنے والے ہوتے ہیں، تو یہ بھی اللہ کو یاد کرنے والا بن جاتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: رقم 34290)

خدانخواستہ جس نے موبائل کا غلط استعمال کیا ہوگا، اپنی جوانی کا غلط استعمال کیا ہوگا، اپنی قوت اور اپنی زبان کا غلط استعمال کیا ہوگا، تو پھر موت کے وقت پریشانی ہوگی۔ آج اِن سب چیزوں پر کنٹرول اپنے بس میں ہے، دوسرا کچھ نہیں کرسکتا۔ جب اِن چیزوں کا صحیح استعمال نہیں ہوتا تو موت کے وقت کلمہ پڑھنا مشکل ہوجاتا ہے۔ مرتے وقت ایک آدمی سے کلمہ کی تلقین کی گئی تو کہنے لگا کہ مجھے شراب لاکردو (العیاذ باللہ)۔ ایک اور کلمہ پڑھنے کی تلقین کی گئی تو بازار میں جس طرح آوازیں لگاتے ہیں، اس طرح وہ آوازیں لگاتا رہا لیکن کلمہ نہیں پڑھا۔ جیسی زندگی گزرتی ہے موت کے وقت وہی معاملات پیش آجاتے ہیں۔ موت کی شدّت اور سختی اتنی ہے کہ ایک ایک رَگ سے محسوس ہوگی۔

رُوح رگ رگ سے نکالی جائے گی
تجھ پہ اِک دن خاک ڈالی جائے گی
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

موت کی سختی

دنیا سے ہر ایک نے جانا ہے۔ اس جانے کے عمل کا نام موت ہے۔ جب انسان کو

موت آتی ہے، اس وقت بہت بڑی کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کی سختی تلوار کی ہزار دفعہ مار سے زیادہ سخت ہے۔

(قال الألباني في "السلسلة الضعيفة والموضوعة "4/108: ضعيف جدًا)

عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے مرسل روایت ہے کہ ملک الموت کی تکلیف تلوار کے ہزار واروں سے زیادہ سخت ہے، اور ہر مؤمن کی جس وقت وفات ہوتی ہے تو وہ ہر ہر رگ میں اس کی تکلیف الگ الگ محسوس کرتا ہے۔ (ابو محمد حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آگے انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا) اس وقت مؤمن کو جنت کی بشارت دو، اس لیے کہ تکلیف بڑی سخت ہے، اور اس وقت خدا کا دشمن شیطان بہکانے کے لیے سب سے زیادہ قریب ہوجاتا ہے۔ (بغية الحارث: كتاب الجنائز، رقم262)

ایک حدیث میں ہے کہ قبضِ روح کی کم سے کم تکلیف بھی تلوار کے سو واروں کے برابر ہے۔ (فیض القدیر: 1/233)

ایک اللہ والے سے سوال

ایک صاحب نے ایک اللہ والے سے پوچھا کہ آدمی کو ذرا سی تکلیف ہو، کوئی سوئی چبھ جائے تو وہ اچھل کود کرتا ہے، پریشان ہوجاتا ہے۔ موت کی تکلیف اتنی بتائی گئی تو اُچھل کود نہیں کر رہا ہوتا؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ ذرا سی سوئی چبھا دو، تلوار کا کونہ لگا دو تو تڑپ اٹھتا ہے، پریشان ہوجاتا ہے۔ موت کی تکلیف اتنی سخت ہے مگر دیکھنے میں پتا ہی نہیں چلتا۔ اللہ والے نے جواب دیا کہ فرشتے اسے مضبوطی سے کَس کر باندھ رکھتے ہیں، فرشتے اسے جکڑ لیتے ہیں کہ وہ ہِل نہیں سکتا۔ اگر فرشتے اسے نہ جکڑیں تو پھر پتا نہیں

کیا معاملہ پیش آجائے۔

روح نکلنے کی ترتیب

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وقت روح نکل رہی ہوتی ہے سب سے زیادہ تکلیف اس وقت ہوتی ہے جب روح حلق کے پاس آتی ہے۔ روح پاؤں سے نکلنا شروع ہوتی ہے، سلسلہ پھر چلتے چلتے گھٹنوں تک آتا ہے، پھر کمر تک آتا ہے، پھر پیٹ تک آتا ہے، پھر سینے تک آتا ہے، چلتے چلتے حلق تک آجاتا ہے، پھر اوپر کی طرف جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے ساتھ عافیت والا معاملہ فرمائے۔

شہادت پر موت کی تکلیف کی مثال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کو قتل کی تکلیف ایسے محسوس ہوتی ہے کہ جیسے تم میں سے کسی کو جسم پر کاٹنے کی ہوتی ہے۔

(سنن ترمذی: رقم 1668)

جیسے کسی کو چیونٹی نے کاٹ لیا ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کو عافیت والی موت عطا فرمائے۔

سب سے آخری مخلوق کی موت

سب سے آخر میں کس کی موت آئے گی؟ سب سے آخر میں کون مرے گا؟ حدیث شریف میں ہے کہ خلائق میں سب سے آخری موت ملک الموت کی ہوگی۔ دنیا کے تمام انسان چلیں جائیں گے، نیک بھی چلیں جائیں گے، بد بھی چلیں جائیں گے، سب فرشتے بھی چلیں جائیں گے حتی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی چلیں جائیں گے، ان کا بھی انتقال ہوجائے گا، ان پر بھی موت آجائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عزرائیل علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ کون باقی؟ تو وہ جواب دیں گے کہ اللہ! آپ کی ذات جو موت سے پاک ہے،

اور میں۔ کہا جائے گا کہ تم بھی میری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہو۔ پھر حکم ہوگا کہ تم بھی مر جاؤ۔ وہ دن آئے گا اور وہ دن آنا ہے کہ جب کوئی باقی نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز ہوگی:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (المؤمن:16)

کون ہے جس کی بادشاہی ہے؟ کوئی جواب دینے والا نہیں ہوگا۔ سب ختم ہو چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی جواب دیں گے:

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ (المؤمن:16)

''صرف اللہ کی جو واحد وقہار ہے''۔

(الأهوال لابن أبي الدنيا: 54، المطالب العالية لابن راهويه: 555/7)

حضرت عزرائیل علیہ السلام کی جب اپنی موت آئے گی تو حدیث میں آتا ہے کہ سب سے زیادہ موت کی تکلیف خود ان کو محسوس ہوگی جب ان کی موت آئے گی۔ اگر دیگر مخلوقات اس وقت زندہ ہوتیں تو صرف ملک الموت کی شدتِ موت کی تکلیف سے جو چیخ نکل رہی ہوگی، اس سے مر جاتی۔ (بستان الواعظین وریاض السامعین لابن الجوزی)

قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

ابتدا میں جب ملک الموت آتے تھے روح قبض کرنے تو ذرا آمنے سامنے ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح نکالنے کا حکم ہوا۔ چناں چہ انہوں نے آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات کی کہ آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طمانچہ مارا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی۔ اللہ تعالیٰ کے پاس آئے کہ یا اللہ! آپ نے مجھے اس شخص کے پاس بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا کہ دوبارہ جاؤ اور اس سے کہو کہ اپنا ہاتھ کسی بیل کی پیٹھ پر رکھے، جتنے بال ہاتھ کے نیچے آئیں گے، ہر بال کے بدلے میں ایک سال کی زندگی دی جائے گی۔ چناں چہ انہوں نے آکر بعینہٖ بات عرض کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ پھر کیا ہوگا؟ کہا گیا کہ پھر موت آئے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا! جو بعد میں آنی ہے، پھر وہ ابھی کیوں نہ آجائے۔ (صحیح بخاری: رقم 3226)

پہچان ختم ہو جانا

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ملک الموت روح قبض کرتے وقت انسان کی رگ کو دباتے ہیں تو اس وقت انسان اپنے گھر والوں کو پہچان نہیں پاتا، پہچان بند ہو جاتی ہے، بات کی قوت ختم ہو جاتی ہے، دنیا بھی بھول جاتا ہے، اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی بھول جاتا ہے۔ اللہ اکبر! ملک الموت جب کسی کے گھر میں روح قبض کرنے آتے ہیں، اور گھر والے روتے ہیں تو فرشتے آواز لگاتے ہیں کہ دیکھو! اس نے اپنا رزق پورا کر لیا، اپنی عمر پوری کر لی، میں نے وہی کیا جس کا اللہ نے مجھے حکم دیا تھا، اپنی مرضی کوئی نہیں کی۔ جو عمر لے کر آیا تھا وہ پوری، جو رزق لے کر آیا تھا وہ پورا، جتنے سانس لے کر آیا تھا وہ پورے، مجھے پروردگار نے بھیجا ہے اس کے حکم سے لے کر جا رہا ہوں۔ اور یاد رکھو اے گھر والو! اس گھر میں جتنے رہتے ہو، اتنی ہی مرتبہ میں نے آنا ہے۔ ہر ایک کو لے کر جانا ہے، تمہیں بھی نہیں چھوڑنا۔ بات یہ ہے کہ ابھی تمہارا وقت پورا نہیں ہوا۔ اللہ عافیت والا معاملہ فرمائے۔ ایک واقعہ سن کر بس بات مکمل کر لیتے ہیں۔

ایک ظالم بادشاہ کا قصہ

یزید رقاشی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے بڑے بادشاہوں میں سے ایک

بہت ہی متکبر بادشاہ تھا۔ ایک دن وہ اپنے گھر کے اندر گھر والوں کے ساتھ خاص حصے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک دروازے سے ایک آدمی اندر آ گیا۔ بادشاہ حیران و پریشان کہ باہر سیکورٹی، دربان بیٹھے ہیں یہ اندر کیسے آ گیا؟ بادشاہ یکدم خوفزدہ بھی ہو گیا اور سکتے میں بھی آ گیا۔ خوف اور سکتے کی پوزیشن میں اس نے اجنبی سے پوچھا کہ کون ہو تم؟ کس نے تمہیں اندر آنے دیا؟ اجنبی نے جواب دیا کہ مجھے تو اس نے آنے کا حکم دیا جو اس گھر کا مالک ہے، جو اس دنیا کا مالک ہے، اور میں تو وہ ہوں جسے کوئی روکنے والا نہیں۔ مجھے کون روک سکتا ہے؟ نہ بادشاہوں کے دربان مجھے روک سکتے ہیں، نہ شیطان مجھے روک سکتا ہے، کوئی ظالم بھی مجھے روک نہیں سکتا، اور کسی ظالم کے کسی حملے کا مجھے خوف بھی کوئی نہیں۔

جب یہ بات اجنبی نے کی تو بادشاہ یکدم پریشان ہو گیا اور کہنے لگا کہ مجھے تو آپ ملک الموت معلوم ہوتے ہیں۔ کہا: ہاں، میں وہی ہوں۔ تمہاری جان لینے آیا ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ تھوڑی سی تو مہلت دے دیجیے، کوئی وصیت کرلوں، کچھ کرلوں۔ کہا: افسوس کہ تمہاری عمر پوری ہو گئی، سانس پوری ہو گئی، وقت ختم ہو گیا، اب میں ذرا بھی تاخیر نہ کروں گا۔ پھر اس ظالم بادشاہ نے پوچھا: اچھا! میری روح نکال کر کدھر جاؤ گے؟ موت کے فرشتے نے کہا کہ تمہارے اس عمل کی طرف جو تم نے پہلے کیا، اور اس گھر کی طرف جو تم نے اپنے نیک اعمال سے بنایا ہوگا، ادھر لے کر جاؤں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں نے تو کوئی نیک عمل نہیں کیا، اور نہ میں نے کوئی ایسا عمل کیا کہ جنت میں میرا گھر بنتا۔ یعنی نیکی بھی میرے پلے کوئی نہیں، اور جنت کے اندر مقام بھی میرا کوئی نہیں۔

موت کے فرشتے نے جواب دیا: اچھا! پھر تو اتنی سی بات رہ گئی کہ تمہیں جہنم کی طرف لے جاؤں گا جس کی آگ تمہاری کھال کو جھلسا دینے والی ہے۔ پھر ملک الموت نے اس

کی روح کو قبض کرلیا اور وہ گر پڑا، اور دیگر لوگ اس کی موت پر چیختے رہے اور روتے رہے۔ یزید رقاشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ جان لیتے اس چیز کو جو اس کے پیش آیا کہ بادشاہت بھی ملی اور آخر میں ایسی اچانک والی موت کہ کچھ موقع نہیں دیا گیا تو لوگ اور بھی روتے، چیختے چلّاتے۔ (إحياء العلوم: بيان الحسرة عند لقاء ملك الموت)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے وقت ہمارے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمائے اور ایمانِ کامل والی موت عطا فرمائے۔ موت کی تیاری کے لیے ہمیں توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

ہماری دیگر مطبوعات

حافظ محمد ابراہیم نقشبندی مجددی

خلیفہ مجاز

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

کی روزمرہ سنتوں کے

بیانات کی کتابی شکل گلدستہ سنت

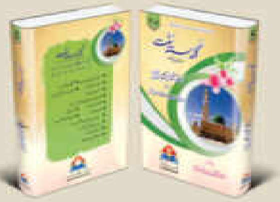

جلد1 | جلد2 | جلد3 | جلد4

روزمرہ پیش آمدہ ضروریات ومشکلات میں
آسانی کے لیے دعاؤں اور وظائف کا مجموعہ
"گلدستہ وظائف"

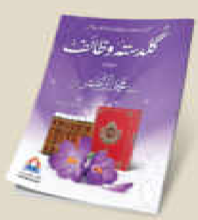

آسیب، سحر اور دوسرے خطرات
سے حفاظت کیلئے ایک نہایت مجرب عمل

عشقِ الٰہی

سوشل میڈیا پلیٹ فارمز

حافظ محمد ابراہیم نقشبندی مجددی

خلیفہ مجاز

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

کے بیانات کے کلپس اور اصلاحی پوسٹس
واٹس ایپ (whats app) کے ذریعے
حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل نمبرز پر
واٹس ایپ (whats app) کریں

0092 321 5552493
0092 321 4427144
0092 300 9406489

**Follow
Ishq-e-ilahi
on Social Media
for Live Bayanat
and clips**

/ishqeilahi1

ishqeilahi.com

گلدستۂ سُنّت

نقش قدم نبی ﷺ کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

- رسول پاک ﷺ کا بچوں کے ساتھ برتاؤ
- پیغمبر علیہ السلام کی گھر والوں سے محبت
- اللہ بہت بڑا ہے
- تحمل مزاجی
- سونے کی سنتیں اور تہجد
- محرم الحرام
- پسندیدہ گوشت
- اسلامی لباس
- قضائے حاجت کے آداب
- چھوٹا عمل بڑا اجر
- جیسی زندگی ویسی موت
- موت کی تکلیف

الکہف ایجوکیشنل ٹرسٹ
AL-KAHAF EDUCATIONAL TRUST

ISBN 969775907-3
9789697759071